720 Al.3 U5

حسن و عشق

مرتّبہ: پرکاش پنڈت



17403

893.4
P193H



HUSN-O-ISHQ

POETRY

Edited by

PRAKASH PANDIT

قیمت دو روپے

فہرس

۴۱- جرأت
۴۲- جگر مرادآبادی
۴۳- جلیل مانکپوری
۴۴- جوش ملسیانی
۴۵- جوش ملیح آبادی
۴۶ جوہر محمد علی
۴۷- چکبست
۴۸- حاذق
۴۹- حالی
۵۰- حاتم
۵۱- نواب بیگم حجاب
۵۲- حرم
۵۳- امین حزیں
۵۴- جعفر علی حسرت
۵۵- حسرت جے پوری
۵۶- چراغ حسن حسرت
۵۷- حسرت موہانی
۵۸- بالمکند حضور
۵۹- حفیظ بنارسی
۶۰- حفیظ جالندھری
۶۱- حفیظ جونپوری
۶۲- حفیظ ہوشیارپوری
۶۳- حیرت بدایونی
۶۴- خاکسار
۶۵- خضر برنی
۶۶- خمار بارہ بنکوی
۶۷- داغ دہلوی
۶۸- میر درد
۶۹- دل شاہجہانپوری
۷۰- موہن سنگھ دیوانہ
۷۱- ذوق
۷۲- راسخ
۷۳- احمد راہی
۷۴- راہی معصوم رضا
۷۵- آفتاب رام رسوا
۷۶- پیارے لال رشید
۷۷- آلِ رضا رضا
۷۸- رضا لکھنوی
۷۹- رند
۸۰- روش صدیقی
۸۱- ریاض خیرآبادی
۸۲- ساحر لدھیانوی
۸۳- ساغر نظامی
۸۴- عبدالمجید سالک

۸۵- سائل دہلوی
۸۶- سلام مچھلی شہری
۸۷- سحر رام پوری
۸۸- مہندر سنگھ بیدی سحر
۸۹- سراج لکھنوی
۹۰- نواب سنقید
۹۱- سلیم فیض آبادی
۹۲- سودا
۹۳- سوز سکندر آبادی
۹۴- سہاب قزلباش
۹۵- سہیل مراد آبادی
۹۶- سیف الدین سیف
۹۷- سیماب اکبر آبادی
۹۸- شاد عظیم آبادی
۹۹- شاعر قزلباش
۱۰۰- شبلی نعمانی
۱۰۱- شرر بلیاوی
۱۰۲- شرف
۱۰۳- شعری بھوپالی
۱۰۴- شفیق جونپوری
۱۰۵- شکیل بدایونی
۱۰۶- شیفتہ
۱۰۷- وزیر علی صبا
۱۰۸- بدرالدین صبر
۱۰۹- صدیق
۱۱۰- صغیر
۱۱۱- صفی اورنگ آبادی
۱۱۲- صفی لکھنوی
۱۱۳- صہبا اکبر آبادی
۱۱۴- ضامن
۱۱۵- طالب
۱۱۶- بہادر شاہ ظفر
۱۱۷- ظہیر
۱۱۸- عابد علی عابد
۱۱۹- عبدالحمید عدم
۱۲۰- عرش ملسیانی
۱۲۱- عزیز لکھنوی
۱۲۲- عظیم مرتضٰے
۱۲۳- عندلیب شادانی
۱۲۴- غالب
۱۲۵- فارغ بخاری
۱۲۶- فانی بدایونی
۱۲۷- فراق گورکھپوری
۱۲۸- فنا نظامی

○ شاہ مبارک آبروؔ

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ
لگ چکا، اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

جب چمن میں جا کے پیارے تم نے زُلفیں کھولیاں
لے گئی بادِ صبا خوشبُو کی بھر بھر جھولیاں

○ آتشؔ

شورشِ عشق میں یہ دل ہی ہے قائم آتشؔ
پانی ہو ہو کے بہا کرتا جو پتھر ہوتا

خوشی سے اپنی رُسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے، تنگ جب دیوانہ ہوتا ہے

وصل میں، ہجر کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے
شام سے پھرتی ہے آنکھوں میں مری صورتِ صبح

آئینہ دیکھنے کا گزرتا نہیں خیال
اپنی خبر نہیں انہیں، میری خبر کہاں

سامنے آئنہ رکھتے تو غش آ آ جاتا
تم نے انداز نہیں اپنی ادا کا دیکھا

کچھ نظر آتا نہیں اس کے تصوّر کے سوا
حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کر دیا

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گزر لیتا ہے

شبِ فرقت میں کیا کیا سانپ لہراتے ہیں سینے پر
تمہاری کاکلِ پیچاں کو جب ہم یاد کرتے ہیں

- حالِ دل ہوتے ہیں حسرت کی نگاہوں سے عیاں
میری اس کی گفتگو میں اب زباں خاموش ہے

کر کے آرائش جو دیکھی اس صنم نے اپنی شکل
بند آنکھیں ہو گئیں، آئینہ حیراں رہ گیا

- تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈیئے کسی کا ساتھ
ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے

- بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

○ آرزو لکھنوی

- حُسن اور عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ اُدھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی

- تارا ٹوٹتے سب نے دیکھا، یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا، کس کا سہارا ٹوٹا ہے

- جب سے اوجھل ہے تو ان آنکھوں سے   رات کیسی کہ دن اندھیرا ہے

کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی

بیٹھے تکتے تو ہیں کن کھیوں سے — یہ نہیں پوچھتے کھڑے کیوں ہو

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا — کہ مجھے آپ سے شکایت ہے

لطفِ بہار کچھ نہیں گو ہے وہی بہار — دل کیا اُجڑ گیا کہ زمانہ اُجڑ گیا

کچھ تو مِل جائے لبِ شیریں سے — زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

اے دشمنِ تمنّا اس کا جواب دے دے
وہ 'ہاں' بنے تو کیا ہو مرتا ہوں جس 'نہیں' پر

پوچھا جو اُن سے چاند نکلتا ہے کس طرح
زلفوں کو رُخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں

میں عرضِ حال میں جب تک زبان کو روکوں
تری بدلتی ہوئی چتونوں نے کیا نہ کیا

عادی بنا کے لذتِ آزار نے مجھے — غم کی خلش کو دل کی تمنا بنا دیا

بھولے بن کر حال نہ پوچھو، بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بے چینی دل کی، ایسی تسلّی رہنے دو

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں
صدقے اس مُنہ چھپا کے جانے کے

جمع ہوئے ہیں کچھ حسیں گرد میرے مزار کے
پھول کہاں سے کھِل گئے دن تو نہ تھے بہار کے

تھا ہمیں ذکرِ تمنا پر آہ کرنا کیا ضرور
سادگی دیکھو کہ دل کا راز خود افشا کیا

افشائے راز، شانِ وفا، امتحانِ صبر
آج ایک خامشی نے بڑے حق ادا کئے

○ آزاد انصاری

آس کہتی ہے کہ مجھ پر صبر کر میں مِٹ چلی
صبر کہتا ہے کہ دل کو تھام، میں چلتا بنا

کبھی دن رات رنگیں صحبتیں تھیں
اب آنکھیں ہیں، لہُو ہے اور میں ہوں

تُو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے
اُمید تو نہیں ہے، مگر ہاں خدا کرے

اب حالِ دل نہ پوچھ کہ تابِ بیاں کہاں
اب مہرباں نہ ہو کہ ضرورت نہیں رہی

وہ مرگِ عشق جس کو اہلِ ظاہر موت کہتے ہیں
ہمیں شکلِ حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

بُتِ کافر یہ واضح ہو، خدا بھی اپنے بندوں پر
فقط ظلم و ستم کر کے خدائی کر نہیں سکتا

○ محمد حسین آزاد

دیتے کیا کیا ہیں دلاسے شبِ فرقت میں ہم
دلِ بیمار کو میں اور دلِ بیمار مجھے

○ اسحٰق الدنی

صبر پر دل کو تو آمادہ کیا ہے لیکن
ہوش اُڑ جاتے ہیں اب بھی تری آواز کے ساتھ

ایک حالت پر نہ رہنے پائیں دل کی حسرتیں
تم نے جب دیکھا نئے انداز سے دیکھا مجھے

اے مرے دردمند دل، سُن مری ایک بات سُن
اُس کو نہ بھُولنا کبھی، جس نے تجھے بُھلا دیا

ابتدا وہ تھی کہ دُنیا تھی ملامت گر مری
انتہا یہ ہے کہ کوئی کچھ نہیں کہتا مجھے

میں اپنے دل سے کہتا ہوں کہ اب تو درد کچھ کم ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ اکثر یوُں بھی ہوتا ہے

○ استی رام نگری

ہم نے پالا مدتوں پہلو میں ہم کچھ بھی نہیں
تم نے دیکھا اِک نظر اور دل تمہارا ہو گیا

○ خواجہ پیر محمد آثر

نہیں معلوم دل پہ کیا گزری
ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن
رات کٹتی نظر نہیں آتی

بے وفائی پہ تری جی ہے فدا
قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

بے وفا تیری نہیں کچھ تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

راہِ یاراں کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں سو تھا یقیں
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اس کا گماں نہیں

○ اثر لکھنوی

دل کا ہے رونا، کھیل نہیں ہے، منھ کو کلیجہ آنے دو
تھمتے ہی تھمتے اشک تھمیں گے، ناصح کو سمجھانے دو
کہتے ہی کہتے حال کہیں گے، ایسی تمہیں جلدی کیا ہے
دل تو ٹھکانے ہونے دو، اور آپ میں ہم کو آنے دو
دل کو اثرؔ کے لوٹ لیا ہے، شوخ نگاہ اک کافر نے
کوئی نہ اس کو رونے سے روکو، آگ لگی ہے بجھانے دو

نگاہیں کیوں نہیں ملتیں، عرق ماتھے پہ کیسا ہے
تو کیا سچ ہے کہ تم نے بھی سنی ہے داستاں میری
تمہیں چاہا، خطا دل کی، وفا کیوں کی؟ سزا دل کی
گنہگارِ محبت ہوں، نہ کھلواؤ زباں میری

اب ہاتھ ملتے ہیں کہ دمِ عرض ماجرا
کہنے کی بات دھیان سے کیسے اُتر گئی

محبت میں رگ رگ میں نشتر بھرے ہیں
ذرا دل دُکھانا خبردار ہو کر

سمجھتا ہوں دلِ ناشاد تڑپانے کی باتیں ہیں
وہ تجھ پر مہرباں کب تھا کہ ہوگا مہرباں پھر بھی

اپنی بساط میں تو ہم نے کمی نہیں کی
اب تم بتاؤ کیونکر رسمِ وفا نبھائیں

اے جوشِ نامرادی بس اتنی التجا ہے
آنکھیں نہ ڈبڈبائیں لب پہ نہ آئیں آہیں

کچھ روز یہ بھی رنگ رہا انتظار کا
آنکھ اُٹھ گئی جدھر بس اُدھر دیکھتے رہے

ہاں آخر سچ ہے کہ سب وعدے ہیں اُس کے جھوٹے
کچھ عجب لطف ہے رُک رُک کے قسم کھانے میں

احسان دانش

وصل کا خواب کجا، لذّتِ دیدار کجا
ہے غنیمت جو ترا درد بھی حاصل ہو جائے

ضبط بھی صبر بھی امکان میں سب کچھ ہے مگر
پہلے کمبخت مرا دل تو مرا دل ہو جائے

آہ اس عاشقِ ناشاد کا جینا اے دوست
جس کو مرنا بھی ترے عشق میں مشکل ہو جائے

تجھ کو کیا معلوم گزری کس طرح فرقت کی رات
کہہ پھرے اِک اِک ستارے سے ترا افسانہ ہم

یہ اُڑی اُڑی سی رنگت یہ کھُلے کھُلے سے گیسُو
تری صبح کہہ رہی ہے، تری رات کا فسانہ

احسن مارہروی

تہذیبِ عشق یہ ہے وہ ہم پر کریں ستم
اور ان سے ہم کہیں یہ کرم ہے ستم نہیں

کہاں کا وصل، کیسی آرزو، اے دل وہ کہتے ہیں
نہیں حسرت کروں پوری، نہ تو ارمان پیدا کر

ہمارا انتخاب اچھا نہیں اے دل تو پھر تو ہی
خیالِ یار سے بہتر کوئی مہمان پیدا کر

نہ اذاں ہو، نہ سحر ہو، نہ گجر ہی شبِ وصل
کیا مزا ہو جو کسی کو نہ جگائے کوئی

کیا ہی ستم ظریف ہے وہ شوخ چشم بھی
یہ پوچھتا ہے ہجر میں تکلیف کیا ہوئی

سچ ہے دنیا میں بڑی مشکل ہے غیرت دار کو
کی ہیں دشمن نے خطائیں ہے پشیمانی مجھے

روک لے اے ضبط جو آنسو کہ چشمِ تر میں ہے
کچھ نہیں بگڑا ہے اب تک گھر کی دولت گھر میں ہے

غم کو پالا ہے تو خونِ دل پلائیں کیوں نہ ہم
اس میں کیا حجّت کرے کوئی جو ظاہر گھر میں ہے

قیامت ہے بھڑکنا آتشِ اُلفت کا سینے میں
یہ چنگاری نہیں بجھتی اگر چمکی تو پھر چمکی

بلا کا ہے یہ نظّارا، دل اس میں پھنس ہی جاتے ہیں
کھڑا ہونا کھلے سر پھر ادائیں زُلفِ پُر خم کی

غلط سمجھے تھے ہم دُنیا سے جیتے جی گزر جانا
جو دل آیا تو سب سمجھے کہ یوں ہوتا ہے مر جانا
بہت بڑھ چڑھ کے دعوے چودھویں کا چاند کرتا ہے
تمہیں میری قسم اُٹھنا ذرا تم بھی سنور جانا

○ احقر

اے بتو! اس چار دن کے حسن پر یہ مزاج، اتنا مزاج، ایسا مزاج

مرے حق میں تو بہتر ہے تجھے آرام ہووے گا
ولے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہووے گا

○ اختر انصاری

حسین یادوں کی شمعیں مجھے جلانے دو مزار ہیں مرے سینے میں آرزوؤں کے
صاف ظاہر ہے نگاہوں سے ہم پر مرتے ہیں مُنھ سے کہتے ہوئے یہ بات مگر ڈرتے ہیں

○ جاں نثار اختر

مجھ کو اپنی جوانی کی قسم ہے کہ یہ عشق
اک جوانی کی شرارت کے سوا کچھ بھی نہیں

کچھ جرم نہیں عشق، جو دنیا سے چھپائیں
ہم نے تمہیں چاہا ہے، ہزاروں میں کہیں گے

تیرا خلوص، تیری محبت، تری وفا   یہ بھی مرا فریب تمنا نہ ہو کہیں

عشق کا راز زمانے سے کہوں یا نہ کہوں
اس اندھیرے میں کوئی شمع جلاؤں کہ نہیں

ایک ہلکا سا تبسم، ایک گہرا سا خمار
ہائے وہ آنکھیں کہ تارے دیکھتے ہوں کوئی خواب

یہ کس کا ڈھلک گیا ہے آنچل   تاروں کی نگاہیں جھک گئی ہیں
یہ کس کی مچل گئی ہیں زلفیں   جاتی ہوئی رات رک گئی ہے

ہاں سچ ہے غلط کب تم نے کہا، یہ دل تو تمہارا ہو ہی چکا
تم ہم سے خفا کیوں ہوتے ہو، لو ہم بھی تمہارے ہوتے ہیں

آنکھیں جو ملیں، کچھ ترے کاجل نے کہا
اڑتے ہوئے کچھ زلف کے بادل نے کہا
وہ راز جو کہہ سکا نہ کھل کر کوئی
وہ تیرے لپٹتے ہوئے آنچل نے کہا

بکھرے جو حسیں زُلف بکھر جانے دے
اس وقت کو کچھ اور سنور جانے دے
باقی نہ رہے صبح کا دھڑکا کوئی
اِک رات تو ایسی بھی گزر جانے دے

اختر شیرانی

محبّت اس طرح معلوم ہو جاتی ہے دنیا کو
کہ یہ معلوم ہوتا ہے، نہیں معلوم ہوتی ہے

اس کے عہدِ شباب میں جینا جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے

مِٹ چلے میری اُمیدوں کی طرح حرف مگر
آج تک تیرے خطوں سے تری خوشبو نہ گئی

روتا ہے بات بات پہ یوں بار بار کیوں
اختر خبر نہیں دلِ ناداں کو کیا ہوا

یہ مے چھلک کے بھی اس حُسن کو پہنچ نہ سکی
یہ پھُول کھِل کے بھی تیرا شباب ہو نہ سکا

رات بھر اُن کا تصور دل کو تڑپاتا رہا
ایک نقشہ سامنے آتا رہا، جاتا رہا
سب نہ ملنے تک کی باتیں تھیں جب آ کر مل گئے
سارے شکوے مٹ گئے، سارا گِلہ جاتا رہا

دل کے شکستہ ساز سے نغمے نِکل پڑے
پوچھا کسی نے حال تو آنسو نِکل پڑے

دل و دماغ کو رو لوں گا، آہ کر لوں گا
تمہارے عشق میں سب کچھ تباہ کر لوں گا
اگر مجھے نہ ملیں تم، تمہارے سر کی قسم
میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لوں گا

مجھے زندگی دُور رکھتی ہے تجھ سے
جو تُو پاس ہو تو اسے دُور کر دوں
محبّت کے اقرار سے شرم کب تک
کبھی سامنا ہو تو مجبُور کر دوں

○ علی اختر

محبّت نام ہے اَحساسِ غم کی اِک لطافت کا
کہ غم ہوتا ہے احساسِ غمِ پنہاں نہیں ہوتا

دل کی آبادی ہے اختر، دل کی بربادی کا نام
اِک تعلق ہے مری ہستی کو ویرانے کے ساتھ

مُسکرائے وہ مجھے یاد آگیا پیمانِ ضبط
رہ گئی شرما کے گستاخی لبِ فریاد کی

میں تری حیرتِ معصوم کے صدقے یہ نہ پوچھ
موت کیوں درد کا درماں نظر آتی ہے مجھے

جب میں نے سُنا ہے نام اُن کا دل پہ اک چوٹ سی لگی ہے

حریف آگاہِ عشق کب تھے، یہ راز تو نے انھیں بتایا
نہ جانے کیوں میری وحشتوں سے اُلجھ پڑا اضطراب تیرا

۱۰ اسمٰعیل میرٹھی

اُلفت کا جب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

میں کبھی کا مر ہی رہتا، نہ غمِ فراق سہتا
اگر اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہوتا

اسیر لکھنوی

باقی ابھی ہے ترکِ تمنّا کی آرزو
کیونکر کہوں کہ کوئی تمنّا نہیں رہی

روز کے وعدوں پہ مر جائیں گے ہم
یونہی گزری تو گزر جائیں گے ہم

حبیب اشعر

بے نیازی سے، مداوات سے جی ڈرتا ہے
جانے کیا بات ہے، ہر بات سے جی ڈرتا ہے

اصغر گونڈوی

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک ہیں چوٹ وہ دل پر لئے ہوئے

میں کیا کہوں کہاں ہے محبّت کہاں نہیں
رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لئے ہوئے

سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں میرے آیا
جب آنکھ کھُلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

میں نے چھیڑا تو کِس ادا سے کہا
کچھ سُنو گے مری زبان سے آج

یُوں مُسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یُوں لب کُشا ہوئے کہ گُلستاں بنا دیا

میں اضطرابِ شوق کہوں یا جمالِ دوست
اِک برق ہے جو کوند رہی ہے نقاب میں

○ اعجاز کامٹوی

اِک تیری تمنّا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دُعا ہم سے

○ افسر میرٹھی

آغاز ہوا ہے اُلفت کا، اب دیکھئے کیا کیا ہوتا ہے
یا ساری عمر کی راحت ہے، یا ساری عمر کا رونا ہے

یہ بھی اِک تماشا ہے کارزارِ اُلفت کا
دل کسی کا ہوتا ہے، بس کسی کا چلتا ہے

للّٰلہ یہ بتا دے اے جذبۂ محبّت
کیا حُسن ہے خدا میں کیا عیب آدمی میں

دو شخص جب ایسے ملتے ہیں آپس میں جن کو محبّت ہو
خاموشی طاری ہوتی ہے لب کُھل کر کے رہ جاتے ہیں

بھٹکتی ہیں نظریں مری ہر طرف   خدا جانے کس بھیس میں تُو ملے

تُجھ کو پا لینے میں وہ بیتاب کیفیت کہاں
زندگی وہ ہے جو تیری جستجو میں کٹ گئی

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

رکھ کر نظر کے سامنے تصویرِ خوابِ ناز
پہروں ترے خیال میں بیٹھا رہا ہوں میں

للّٰلہ یہ تم دیکھنے والوں سے نہ پُوچھو   کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

دل پر اپنا بس چلتا تو وحشت کا ہے کو ہوتی
اور کسی سے کیا مطلب ہے تو خود کیا کہتا ہو گا

۱۰ اقبال

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کونسی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

سو سو امیدیں بندھتی ہیں اِک اِک نگاہ پر
مجھ کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی

تامّل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی

زمانے بھر میں رُسوا ہوں، مگر اے وائے نادانی
سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے رازداں تک ہے

GOVT GIRLS COLLEGE
LIBRARY
ACC NO. 16403

○ اکبر الہ آبادی

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں
کہ ہر صورت کلیجے سے لگا لینے کے قابل ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نگاہیں میری اُن کی مل گئی تھیں رات محفل میں
یہ دنیا ہے، بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر

وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں
وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

اِدھر ہم سے بھی باتیں لاکھ کرتے ہیں لگاوٹ کی
اُدھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منھ سے نکلنے نہیں دیتے

جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھ کو تم پر،
ہنس کے کہنے لگے 'اور آپ کو آتا کیا ہے؟'

وصل ہو یا فراق ہو اکبر جاگنا رات بھر مصیبت ہے

دن رات کی یہ بے چینی ہے، یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار بُرے ہیں فرقت میں، معلوم نہیں کیا ہونا ہے

عنایت تخلیے میں، بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں، دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

رو رہے ہیں دوست میری لاش پر بے اختیار
یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اس کی جان لی

ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں
یہ ان کی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں

○ امیر مینائی

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

محبت میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ پڑتی ہے رگ جاں پر

باقی نہ دل میں کوئی بھی، یارب، ہوس رہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے

تمہارے لب ہیں باغِ حسن کے پھول　　تبسم ان کی نازک پنکھڑی ہے

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار　　سادگی گہنا ہے اِس سن کے لئے

میرا خط اس نے پڑھا، پڑھ کے نامہ بر سے کہا
یہی جواب ہے اس کا کوئی جواب نہیں

ساری دنیا کے ہوئے میرے سوا　　میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

ہنس پڑے آپ تو بجلی چمکی　　بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی

آفت تو ہے وہ ناز بھی انداز بھی لیکن
مرتا ہوں میں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

الٰہی کیا قیامت ہے، وہ جب لیتے ہیں انگڑائی
مرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

اے دلِ صد چاک شانہ بن کے جا پر یاد رکھ
ہے مزاج الٹا اُلجھ پڑتی ہے سُلجھانے سے زلف

وصل کا دن اور اتنا مختصر   دن گِنے جاتے تھے اس دن کے لئے

اب یہ جانا کہ اِسے کہتے ہیں آنا دل کا
ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

کہتے ہیں کہ ہم درد کسی کا نہیں سُنتے
میں نے تو رقیبوں سے سُنا اور ہی کچھ ہے

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

خدا کی شان! جو شوخی سے آشنا ہی نہ تھا
ترس رہی ہے وہی آنکھ اب حیا کے لئے

تسلّی خاک ہو و عدوں سے ان کے جیتو نیں انکی
اشاروں سے یوں کہتے ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں

○ انجم

یہ صورت اور بھولی بھولی باتیں
تمہیں بتاؤ پیار آئے نہ آئے

○ انشا

جھڑکی سہی ، ادا سہی، چیں بر جبیں سہی
سب کچھ سہی پر ایک 'نہیں' کی نہیں سہی

نہیں معلوم منظور اس کو کیا ہے
بُری چیتون سے کافر دیکھتا ہے

انہیں باتوں پہ لوٹتا ہوں میں
گالی پھر دے کے میرا نام تو لو

نزاکت اس گلِ رعنا کی دیکھو انشا
نسیمِ صبح جو چھُو جائے رنگ میلا ہو

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سُنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے، لو اور سُنو

○ انور

کِس سوچ میں ہیں آئنے کو آپ دیکھ کر
میری طرف تو دیکھئے، سرکار کیا ہوا

○ باقیؔ صدیقی

عشق میں بھی نہ کچھ ملا باقیؔ
اور دنیا کے کام سے بھی گئے

دل کے لئے حیات کا پیغام بن گئیں
بے تابیاں سمٹ کے ترا نام بن گئیں

یاد آئی کیا تیری بات
نیند نہ آئی ساری رات
ہم بھی چُپ ہیں تم بھی چُپ
اس کو کہتے ہیں حالات

○ بشیر بدر

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

○ بیخودؔ دہلوی

ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ اس کے عشق کا
مر گیا ہوں اور مرنے کا گماں ہوتا نہیں

غمِ اُلفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتے جاتے ہیں

تم کہتے ہو دل میں نہ کوئی میرے سوا ہو
کیا ٹال دوں اس کو بھی محبت اگر آئے

نکل کر آپ پردے سے ذرا باہر تو آ جائیں
قیامت میں جو کل ہوگا وہ اب کیا ہو نہیں سکتا

وہ میری التجا، میری خوشامد، میری مایوسی
وہ مجبوری سے اُن کا مُسکرا دینا خفا ہو کر

بگڑنا اس کا غصے سے بھی شوخی سے نہیں خالی
مزے کی بات کہہ جاتا ہے، ظالم بے مزا ہو کر

آگ بھردی ہے محبت نے مری رگ رگ میں
میرا تو خون بھی دوزخ کا شرارا نکلا

کیا اسی کا نام اُلفت ہے کہ جب دیکھا اسے
خود بخود اِک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا
ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا

مٹا دی مٹ کے داغِ آرزو نے عشق کی دولت
کوئی دن اور رہ جاتا تو یہ دل کو بنا جاتا

مِٹ گیا غمِ ہستی اس پہ مبتلا ہو کر
عشق نے اثر بخشا درد کی دوا ہو کر

لے چلے دل میں ترا داغ محبت والے
جان دے کر جو خریدا ہے یہ سودا ہے وہی

○ بیدل عظیم آبادی

انجان تم بنے رہے یہ اور بات ہے ایسا تو کیا ہے تم کو ہماری خبر نہ ہو

ڈاکٹر تاثیر

دل نے آنکھوں سے کہی، آنکھوں نے دل سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے، اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

چھپا پھرتا ہوں اب تک تیری آنکھوں سے مگر کب تک
یہ کہہ ڈالیں گی اِک دن میرے دل کا مدعا مجھ سے

یوں ہی بیٹھے ہیں ترے در پہ تو بیٹھے ہیں مگر
پھر نہ ہم لوٹ کے آئیں گے جو اِک بار گئے

مری توبہ، مجھے باور، وہ کافر ہے وہ کافر ہے
خفا تو بھی ہوا جاتا ہے اے میرے خدا مجھ سے

تاجور نجیب آبادی

برداشت دردِ عشق کی دشوار ہو گئی
اب زندگی بھی جان کا آزار ہو گئی

محبت! آہ محبت کی زندگی مت پوچھ
بڑی مصیبتوں میں مبتلا رہا ہوں میں

خدا مجھ کو تجھ سے ہی محروم کر دے
جو کچھ اور تیرے سوا چاہتا ہوں

سبب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میرے رونے کا
الٰہی ساری دنیا کو میں کیسے رازداں کرلوں

محبت آہ جو تو کامیاب ہو نہ سکی
ہوس میں عمر کو صرفِ گناہ کردوں گا

جو مجھ سے چھین لیا دہرِ خود غرض نے تمہیں
مٹوں گا لیکن اسے بھی تباہ کردوں گا

○ صوفی تبسّم

ہر دردِ محبت سے اُلجھا ہے غمِ ہستی
کیا کیا نہیں یاد آیا جب بھی تری یاد آئی

کچھ اور پھیل گئیں درد کی کٹھن راہیں
غمِ فراق کے مارے جدھر سے گزرے ہیں

جس میں ہو یاد بھی تیری شامل
ہائے اِس بے خودی کو کیا کہیے

○ عبداللطیف تپش

جان آنکھوں میں رہی جی سے گزرنے نہ دیا
اچھی دیدار کی حسرت تھی کہ مرنے نہ دیا

کوئی تو بات ہے جو غیر کے آگے اُس نے
شکوہ کیسا کہ مجھے شکر بھی کرنے نہ دیا

○ تسکین

قاصد آیا ہے وہاں سے تُو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دلِ بیتاب مجھے

○ تسلیم

سچ ہے تمہیں کسی سے نہ مطلب نہ کچھ غرض
دن رات گھر میں غیر کے مہماں ہیں تو ہیں

○ ثاقب لکھنوی

حشر میں میرا لہو چھپتا تو آخر کس طرح
آپ بھی بھولے نہ تھے، مجھ کو بھی کچھ کچھ یاد تھا

دل کہ جس کی خانہ ویرانی کا تم کو غم نہیں
کیا بتائیں ہم تمہیں اِس گھر میں کون آباد تھا

عشق کی دو چار راہیں ہوں تو دل کو ڈھونڈ لوں
مجھ کو کیا معلوم، کس کوچے میں مر کر رہ گیا

تڑپوں تو راز کھولوں، سنبھلوں تو عشق ناخوش
جس حال کو میں سمجھا اچھا، بُرا وہی تھا

سُننے والے رو دیئے سُن کر مریضِ غم کا حال
دیکھنے والے ترس کھا کر دعا دینے لگے

حُسن کے ہاتھ بندھے تو وہ ذرا دیر سہی
مجھ پہ احساں تری آئی ہوئی انگڑائی کا

کچھ اِس ادا سے یار نے پوچھا مِرا مزاج
کہنا پڑا کہ "شُکر ہے پروردگار کا"

ذرا سی اک نگاہِ عشق میں آنکھوں سے گرتا ہے
بہت آسان ہے انسان کا بیکار ہو جانا

رکھتے ہی پاؤں ٹُوٹ گئے بازارِ عشق میں
بیٹھے نہ دل کو بیچنے والے دوکان پر

ہوش ہی مجھ کو نہ تھا، جب پہلوؤں میں لُوٹ تھی
مجھ کو کیا معلوم، کیا جاتا رہا، کیا رہ گیا

صاف کہہ دیجئے، وعدہ ہی کیا تھا کس نے؟
عذر کیا چاہیئے جھوٹوں کو مُکرنے کے لئے

آدھی سے زیادہ شبِ غم کاٹ چکا ہوں
اب بھی اگر آ جاؤ تو یہ رات بڑی ہے

جلوۂ حُسن اِک اشارے میں بہت کچھ کہہ گیا
میں نہیں سمجھا مگر ہاں دل تڑپ کر رہ گیا
اُن کی بزمِ ناز میں تو سانس بھی دل نے نہ لی
نالۂ کش برسوں کا اِک تصویر بن کر رہ گیا

اس کے سننے کے لئے جمع ہوا ہے محشر
رہ گیا تھا جو فسانہ مری رُسوائی کا

کعبہ کدھر ہے شکر کا سجدہ ادا کروں
اللہ آپ آئے ہیں میرے مکان پر

ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے
سُننے والے رات کٹنے کی دُعا دینے لگے
آئنہ ہو جائے میرا عشق اس کے حُسن کا
کیا مزا ہو درد اگر خود ہی دوا دینے لگے

تڑپتا ہے شبِ غم یوں کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا
بتا دے نامُرادی کون سی باتیں کروں دل سے
غموں کے آسرے پر، ہجر میں تھی زندگی ثاقب
خلش بڑھتی جو یہ کانٹے نکلتے دامنِ دل سے

جُدائی میں جس کو مٹاتی ہے اُلفت
وہ عُمرِ رواں پہلے ہی کٹ گئی ہے
وہی رات میری وہی رات ان کی
کہیں بڑھ گئی ہے، کہیں گھٹ گئی ہے

صبحِ وصال دُور تو اِتنی نہیں مگر
راتیں ہیں بیچ میں تری زُلفِ سیاہ کی

اِک نیا دل ظلم سہنے کو بنانا چاہیئے
ہو تو سکتا ہے مگر اس کو زمانہ چاہیئے

○ معین احسن جذبی

جب محبت کا نام سُنتا ہوں — ہائے کتنا ملال ہوتا ہے

اظہارِ محبت پر اس طرح وہ شرمائے — سب اُن کی حیا میری آنکھوں میں اُتر آئی

ہائے وہ تیرے تبسم کی ادا وقتِ سحر — صبح کے تاروں نے اپنی جان تک کر دی نثار

مُسکرا کر ڈال دی رُخ پر نقاب — مل گیا جو کچھ کہ ملنا تھا جواب

سوالِ شوق پہ اُن کو کچھ اجتناب سا ہے — جواب یہ تو نہیں ہے مگر جواب سا ہے

کچھ دل کو محبت میں مٹنے کا خیال آ گیا — کچھ تیرے تغافل نے کی حوصلہ افزائی

اے حُسن! ہم کو ہجر کی راتوں کا خوف کیا — تیرا خیال جاگے گا سویا کریں گے ہم

داغِ غم دل سے کسی طرح مٹایا نہ گیا
میں نے چاہا بھی مگر تم کو بُھلایا نہ گیا

ہو نہ ہو دل کو ترے حُسن سے کچھ نسبت ہے
جب اُٹھا پردہ تو کیوں میں نے تجھے یاد کیا

جو آگ لگائی تھی تم نے، اُس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

اِک ایسا راز دیا ہے مجھے چھپانے کا
جسے وہ چاہیں تو خود بھی چُھپا نہیں سکتے

○ جرأت

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے، کہاں ہوتا ہے

روتے ہیں بار بار جرأت یہ گرفتار ہیں کہیں نہ کہیں

اے ستم ایجاد، کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تُو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

خراب کیونکہ نہ ہو شہرِ دل کی آبادی
ہمیشہ لُوٹنے والے ہی اس دیار میں آئے

سرگزشت آتے ہی کیا پوچھے ہے اے جاں میری
سب سُناؤں گا تجھے آپ میں آنے دے مجھے

اُس بِن جہان کچھ نظر آتا ہے اور ہی
گویا وہ آسمان نہیں، وہ زمیں نہیں

جب یہ سُنتے ہیں کہ ہمسایہ ہیں آپ آئے ہوئے
کیوں درو بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

ہے کِس کا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کروگے

آئے جو میرے پاس تو مُنھ پھیر کے بیٹھے
یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

خدا جانے کرے گا چاک کِس کِس کے گریباں کو
ادا سے اُن کا چلنے میں وہ دامن کو اُٹھا لینا

○ جگر مرادآبادی

ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محال   انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے

بن جائیں نہ بیگانۂ آدابِ محبت
اتنا نہ قریب آؤ، مناسب ہی کہو یہی ہے

آجاؤ کہ اب خلوتِ غم خلوتِ غم ہے
اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں
وہ اب چل چکے ہیں وہ اب آ رہے ہیں

اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم
اِک رنگ آ رہا ہے، اِک رنگ جا رہا ہے

کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے
جی دھک سے ہو گیا، یہ سُنا جب وہ آ گئے

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں

سمجھے تھے تجھ سے دُور نکل جائیں گے کہیں
دیکھا تو ہر مقام تری رہگزر میں ہے

محبّت میں اِک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

عشق جب تک نہ کر چکے رُسوا
آدمی کام کا نہیں ہوتا

اِس عشق کے ماروں کا اِتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی، ہنسنے کو زمانہ ہے

ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں
عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

جگر میں نے چھپایا لاکھ اپنا دردِ غم لیکن
بیاں کردیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی

ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
منھ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

وہ چیز، کہتے ہیں فردوسِ گم شُدہ جس کو
کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہوگئیں
ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہوگئیں

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حُسن
جب دیکھیے اِک نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

تیرا ملنا ترا نہیں ملنا
اور جنّت ہے کیا جہنّم کیا

میں تو اِس سادگیٔ حُسن پہ صدقے اس کے
نہ جفا آتی ہے جس کو نہ وفا آتی ہے

شبابِ میکش، خیالِ میکش، جمالِ میکش، نگاہِ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی، انہیں تو اپنی خبر نہیں ہے

کچھ اس طرح سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

یہ نازِ حُسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملاتے نہیں مُسکرائے جاتے ہیں

یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے
اس کو قاتل کہنے والے کہہ اُٹھے قاتل مجھے

ضبطِ غم ہجر میں رونے بھی نہیں دیتا ہے
آج آنسو بھی میرے قید ہیں، آزاد نہیں

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ
حسین حسین نظر آئے، جواں جواں گزرے

ہم نے سینے سے لگایا دل نہ اپنا بن سکا
مُسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا

یہ کیا مقامِ عشق ہے ظالم کہ ان دنوں اکثر ترے بغیر بھی آرام آ گیا

عرضِ غم نہ کر اے دل دیکھ ہم نہ کہتے تھے
رہ گئے وہ ' اُونہہ ' کر کے سُن لیا جواب ان کا

یوں دل کے تڑپنے کا ہے کچھ تو سبب آخر
یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے اِدھر دیکھا

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سُناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجے
اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

کیا لُطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

اِدھر سے بھی سِوا ہے اُدھر کی مجبوری
کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی

انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں مِلا ظالم
پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے

ہو گئی دل کو تری یاد سے اِک نسبتِ خاص
اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو

ترے فراق کے غم نے بچا لیا رب سے   مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی

مری زندگی تو گزری ترے ہجر کے سہارے
مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہیئے بہانہ

○ جلیل مانکپوری

محبت رنگ دے جاتی ہے جب دل دل سے ملتا ہے
بڑی مشکل تو یہ ہے دل بڑی مشکل سے ملتا ہے

ایک تو تصویر اس کی غیر کی محفل میں ہے
اِک ہمارے پاس بھی ہے جو ہمارے دل میں ہے

وعدہ کر کے اور بھی آفت میں ڈالا آپ نے
زندگی مشکل تھی اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

قاصد! پیامِ شوق کو دینا بہت نہ طول
کہنا فقط یہ ان سے کہ آنکھیں ترس گئیں،

مزا لیں گے ہم دیکھ کر تیری آنکھیں
انہیں خوب تو نامہ بر دیکھ لینا

آج آنسو تو نے پونچھے بھی تو کیا
یہ تو اپنا عمر بھر کا کام ہے

میری ہر بات کو اُلٹا وہ سمجھ لیتے ہیں
اب کے پوچھا تو یہ کہہ دوں گا کہ حال اچھا ہے

لاکھ نازک ہو رشتۂ اُلفت
ٹوٹتا ہے یہ تار مشکل سے

مان لیتا ہوں تیرے وعدے کو　　بھول جاتا ہوں میں کہ تو ہے وہی

دل بہلنے کو لوگ سنتے ہیں　　دردِ دل داستان ہے گویا

درد سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی
ہائے! کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی

مصروف کر لیا مجھے اس کے خیال نے
جا اے اجل! کہ مرنے کی فرصت نہیں مجھے

ہم تم ملے نہ تھے تو جدائی کا تھا ملال
اب یہ ملال ہے کہ تمنا نکل گئی

تم جو کہتے ہو بگڑ کر ہم نہ آئیں گے کبھی
یہ بھی کہہ دو اب نہ آئے گی تمہاری یاد بھی

وہ اُٹھے، درد اُٹھا، حشر اُٹھا　　مگر دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے

کہہ دو یہ کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال　　مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے

سینے سے میں لگائے ہوں تجھ کو خیال میں
او مستِ ناز کچھ تجھے اپنی خبر بھی ہے

اچھا ہے وہ جو مجھ کو پھراتے ہیں دربدر
آگاہ کر رہے ہیں محبت کی راہ سے

اب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو، زمین چلے، آسماں چلے

مزے بے تابیوں کے آ رہے ہیں
وہ ہم کو ہم انہیں سمجھا رہے ہیں

آتے آتے اُن کو آئے گا خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

یار تک پہنچا دیا بے تابیٔ دل نے ہمیں
اِک تڑپ میں منزلوں کا فاصلہ جاتا رہا

جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گزارش ہے
جب یاد ہم آجائیں، ملنے کی دُعا کرنا

شرابِ عشق کی مستی، عجیب مستی ہے
گیا جو ہوش تو پھر عمر بھر نہیں آیا

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پہ اثر ہو تو سہی
درد، کم ہو کہ زیادہ ہو، مگر ہو تو سہی

تیوری جو اس کی چڑھ گئی عاشق پہ آ بنی
بن کر ادا بنی تو بگڑ کر قضا بنی

ایک سی شوخی خدا نے دی ہے حُسن و عشق کو
فرق بس اتنا کہ وہ آنکھوں میں ہے یہ دل میں ہے

کوئی یہ پُوچھ لے دردِ نہاں سے
تجھے دل ڈھونڈ لایا ہے کہاں سے

پہنچے نہ وہاں تک، یہ دُعا مانگ رہا ہوں
قاصد کو اُدھر بھیج کے دھیان آئے ہیں کیا کیا

○ جوش ملسیانی

رنج، غم، درد، الم، یاس، تمنا، حسرت
اِک تری یاد کے ہونے سے ہے کیا کیا دل میں

○ جوش ملیح آبادی

ہم عشق سے کیا واقف، واقف ہیں تو صرف اِتنا
آغاز ہلاکت ہے، انجام خدا جانے

جس کو تم بھول گئے، یاد کرے کون اس کو
جس کو تم یاد ہو وہ اور کسے یاد کرے

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا، میں نے تجھے یاد کیا

میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائے گی
کیا یہ دُنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائے گی

مجھ کو تو ہوش نہیں، تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

واقف ہے جوشؔ، عشق سے اپنے تمام شہر
اور ہم یہ جانتے ہیں کوئی جانتا نہیں

آنکھیں تیری، جھک رہی ہیں مجھ سے مل کر
دیوار سے دُھوپ اُتر رہی ہے گویا

یہ بات، یہ تبسم، یہ ناز، یہ نگاہیں
آخر تمہیں بتاؤ، کیونکر نہ تم کو چاہیں

نرمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا
سیکھ لیں شبنم کے قطرے آپ کی رفتار سے

اب تک نہ خبر تھی مجھے اُجڑے ہوئے گھر کی
تم آئے تو گھر بے سروساماں نظر آیا

تمہیں آہیں سُننے کا شوق تھا، مگر اب بتاؤ کروگے کیا
جو کراہتا تھا تمام شب، وہ مریض 'جوش' تو مر گیا

○ محمّد علی جوہر

ہرگز نہ ہو، اے دل! غمِ جاناں کی شکایت
کرتا ہے بھلا کوئی بھی مہماں کی شکایت
ہیں عشق کے بیمار بھی دنیا سے نرالے
ہے درد کے بدلے انہیں درماں کی شکایت

اِس دردِ لا علاج کی کیونکر دعا کروں
وہ حالِ دل سُنیں بھی تو مجھ سے بیاں نہ ہو
ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں، تو بدگماں نہ ہو

یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب ظلم کا نام ستم گر نے حیا رکھا

ہے ظلم بہت عام ترا پھر بھی ستم گر مخصوص یہ اندازِ جفا میرے

○ چکبست

ہزاروں جان دیتے ہیں بتوں کی بے وفائی پر
اگر ان میں سے کوئی باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

کشش وفا کی انہیں کھینچ لائی آخر کار
یہ تھا رقیب کا دعویٰ، وہ آ نہیں سکتے

نیا بسمل ہوں میں واقف نہیں رسمِ شہادت سے
بتا دے تو ہی اے ظالم! تڑپنے کی ادا کیا ہے

مزا ہے عہدِ جوانی میں سر پٹکنے کا لہو میں پھر یہ روانی رہے رہے نہ رہے

کیوں رلانے کو سناتے ہو وفا کے قصے دوستو اب تو محبت کا یہ دستور نہیں

جسے ہو فکر مرہم کی اسے قاتل سمجھتے ہیں
الٰہی خیر ہو یہ زخم اچھا ہو نہیں سکتا

حاذق

مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرام ناز
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

حالی

عشق سنتے تھے جسے ہم، وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

تم کو ہزار شرم سہی، مجھ کو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے، جو چھپایا نہ جائے گا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا　　وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

رات اس کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

قلق اور دل کا سوا ہو گیا ۔۔۔ دلاسہ تمہارا بلا ہو گیا

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم

بے قراری تھی سب اُمیدِ ملاقات کے ساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام ۔۔۔ گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی ۔۔۔ دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ ۔۔۔ ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

○ حامد

اب اُن کا سامنا ہوتا ہے تو مُنھ پھیر لیتے ہیں
کہاں کی رسمِ اُلفت، چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

○ نواب بیگم حجاب

کچھ خوفِ خدا کیجیے، اِس طرح نہ چلیے
سو بار تو اس چال پہ تلوار چلی ہے

○ حرم

مانا کہ ہم سے آپ کو نفرت ہے پر اسے
کیا کیجئے کہ مجھ کو محبت ہے آپ سے

○ امین حزیں

عشق کا انجامِ رنگیں دیکھئے
اشکِ سادہ کو لہو ہونا پڑا

اِک تو کہ اپنے حُسن کی ہے آپ ہی دلیل
اِک میں کہ تیرے عشق کا دعویٰ لئے ہوئے

ہم تو یہ حزیں سمجھے ہیں دامن جو بھگو دے پانی ہیں
آنسو تو وہی اک قطرہ ہے پلکوں پہ جو تڑپے بہہ نہ سکے

○ جعفر علی حسرت

تمہیں غیروں سے کب فرصت، ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا مِلنا، نہ تم خالی، نہ ہم خالی

○ حسرت جے پوری

تیری زُلفوں سے جُدائی تو نہیں مانگی تھی
قید مانگی تھی، رہائی تو نہیں مانگی تھی

○ چراغِ حسن حسرت

غمِ آرزو کو نہ تازہ کر، دلِ بے خبر یہ وہ آگ ہے
جو سُلگ اُٹھی تو سُلگ اُٹھی، جو دبی رہی تو دبی رہی

آپ کا ذکر بیٹھتے، اُٹھتے — آپ کی یاد جاگتے، سوتے
عشق نے حُسن کو بنایا حُسن — ہم نہ ہوتے تو آپ کیا ہوتے

محبت تیرے جلوے کتنے رنگا رنگ جلوے ہیں
کہیں محسوس ہوتی ہے، کہیں معلوم ہوتی ہے
اُمیدِ وصل نے دھوکے دیئے ہیں اِس قدر حسرت
کہ اُس کافر کی ’ہاں‘ بھی اب ’نہیں‘ معلوم ہوتی ہے

راہ میں اُن سے مُلاقات ہوئی — جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی

یارب غمِ ہجراں میں اِتنا تو کیا ہوتا
جو ہاتھ جگر پر ہے، وہ دستِ دُعا ہوتا
اِک عشق کا غم آفت اور اس پہ یہ دل آفت
یا غم نہ دیا ہوتا، یا دل نہ دیا ہوتا
اُمید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہو جاتی

وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا
غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سُنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سُنا ہوتا

دمِ آخر وہ آ گئے حسرت
موت سے اب کوئی بہانہ کریں

○ حسرت موہانی

nice

چُپکے چُپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا
سچ کہو کچھ تم کو بھی کیا وہ زمانہ یاد ہے

پہلے آنکھیں ہوئیں گرویدہ پھر آنکھوں کی طرح
چاہنے دل بھی لگا آپ کو دیکھا دیکھی

ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں
کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھ کو کہ اور بھی
تکلیفِ اضطراب کی شدت ہے آج کل

دل میں کیا کیا تھے عرضِ حال کے شوق　　اُس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے

حُسن سے اپنے وہ غافل تھے، میں اپنے عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

وفا تم سے لے بے وفا چاہتا ہوں　　مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

نہیں آتی تو اُن کی یاد برسوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حُسن　　آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے
ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انہیں　　کہتے بنا نہ کچھ تو قسم کھا کے رہ گئے

شب وہی شب ہے، دن وہی دن ہے　　جو تری یاد میں گزر جائے

کہیں وہ آ کے مِٹا دیں نہ انتظار کا لُطف　　کہیں قبول نہ ہو جائے التجا میری

چل بھی دیئے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے، یہ ماجرا ہے کیا

وہ شرما کے بیٹھے ہیں گردن جُھکائے
غضب ہو گیا اِک نظر دیکھ لینا

ہوسِ دید مٹی ہے، نہ مٹے گی حسرت
دیکھنے کے لئے چاہیے انہیں جتنا دیکھو

تجھ سے اب مِل کے تعجب ہے کہ عرصہ اِتنا
آج تک تیری جُدائی میں یہ کیونکر گزُرا

اس شوخ کا شکوہ کیا، حسرت یہ تُونے کیا کیا
اس سے تو اے مردِ خدا! بہتر تھا مر جانا کہیں

اب تو آتا ہے یہی جی میں کہ اے محوِ جفا
کچھ بھی ہو جائے مگر تیری تمنّا نہ کریں
شکوۂ جور، تقاضائے کرم، عرضِ وفا
تم جو مل جاؤ کہیں ہم کو تو کیا کیا نہ کریں

صبر مشکل ہے، آرزو بیکار کیا کریں عاشقی میں کیا نہ کریں

وصل کی بنتی ہیں اِن باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
التفاتِ یار تھا اِک خواب آغازِ وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

مانوس ہو چلا تھا تسلّی سے حالِ دل　　پھر تُو نے یاد کر کے بدستور کر دیا

○ بالمکند حضور

وفا کو تم جفا سمجھے، ستم کو ہم کرم سمجھے
اُدھر تم دل میں کچھ سمجھے، اِدھر کچھ دل میں ہم سمجھے

○ حفیظ بنارسی

پیغام لیا ہے کبھی پیغام دیا ہے　　آنکھوں سے محبّت میں بڑا کام لیا ہے

○ حفیظ جالندھری

کیوں ہجر کے شکوے کرتا ہے، کیوں درد کے رونے روتا ہے
اب عشق کیا تو صبر بھی کر، اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے

اب ابتدائے عشق کا عالم کہاں حفیظ　　کشتی مری ڈبو کے وہ ساحل اُتر گیا

کچھ مجھے جرأت ہوئی، کچھ اُن کی آنکھیں جھک گئیں
ہوتے ہوتے یوں ہی اظہارِ تمنّا ہو گیا

وہ کون تھے جو عشق کو اک کھیل جان کر
کھیلے بھی اور چل بھی دیئے جیت ہار کے

وفا جس سے کی، بے وفا ہو گیا　　　جسے بُت بنایا خدا ہو گیا

بظاہر سادگی سے مُسکرا کر دیکھنے والو
کوئی کمبخت ناواقف اگر دیوانہ ہو جائے

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے
تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بُھلا سکے

اے داورِ حشر، اس سے نہ کر پُرسشِ ایماں
انکار کا عادی ہے یہ انکار نہ کر دے

ناصح کو بُلاؤ مرا ایمان سنبھالے　　　پھر دیکھ لیا اُس نے شرارت کی نظر سے

اب میرے رونے والو، خدارا جواب دو
وہ بار بار پوچھتے ہیں 'کون مر گیا'

جینے کا ارمان کروں، یا مرنے کا سامان کروں
عشق میں کیا ہوتا ہے ناصح عقل کی بات بتاتا جا

دیوانگیٔ شوق کے بعد آ ہی گیا ہوش
اور ہوش بھی وہ ہوش کہ دیوانہ بنا دے

حُسن پابندِ رضا ہو، مجھے منظور نہیں   میں کہوں تم مجھے چاہو، مجھے منظور نہیں

حُسن والے مرے قاتل ہیں یہ دعویٰ ہے مرا
حُسن والوں کو سزا ہو، مجھے منظور نہیں

حشر کے دن میری چُپ کا ماجرا   کچھ نہ کچھ تم سے بھی پوچھا جائے گا

ہو گیا جب عشق ہم آغوشِ طوفانِ شباب
عقل بیٹھی رہ گئی ساحل پہ شرمائی ہوئی

یاس کی بستی میں اِک چھوٹی سی امیدِ وصال
اجنبی کی طرح سے پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

گُم ہو گیا ہوں بے خودیٔ ذوقِ عشق میں
اے عقل جا کے لا تو ذرا ڈھونڈ کر مجھے

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

ہے ازل کی اس غلط بخشی پہ حیرانی مجھے
عشق لافانی ملا ہے، زندگی فانی مجھے

پوچھتا پھرتا تھا داناؤں سے اُلفت کے رموز
یاد اب رہ رہ کے آتی ہے وہ نادانی مجھے

حضرتِ دل ! اب نئی اُلفت سمجھ کر سوچ کر
اگلی باتوں پر نہ بھولیں آپ وہ باتیں گئیں

اُٹھا رکھا ہے میں نے آپ کا دیدار محشر پر
مرا مُنھ تک رہے ہیں میری ہمّت دیکھنے والے

عشق نہ ہو تو دل لگی، موت نہ ہو تو خودکشی
یہ نہ کرے تو آدمی آخرِ کار کیا کرے

لُطف آنے لگا جفاؤں میں   وہ کہیں مہرباں نہ ہو جائے

ہائے کِس درد سے کی ضبط کی تلقین مجھے
ہنس پڑے دوست جو میں نے کبھی رونا چاہا

ہمیں پیار ہے ان سے ہم جانتے ہیں
وہ سمجھیں نہ سمجھیں، وہ جانیں نہ جانیں

رات کم ہے نہ چھیڑ ہجر کی بات   یہ بڑی داستان ہے پیارے

○ حفیظ جونپوری

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دُور کی اچھی
نہ ان کی دوستی اچھی، نہ ان کی دشمنی اچھی

○ حفیظ ہوشیارپوری

کہیں دیکھی ہے میں نے تیری صورت اِس سے پہلے بھی
کہ گزری ہے مرے دل پہ یہ حالت اِس سے پہلے بھی

○ حیرت بدایونی

غیر کو آنے نہ دوں تم کو کہیں جانے نہ دوں
کاش ! مل جائے تیرے در کی دربانی مجھے

○ خاکسار

چند دن ، آہ میاں، میں بھی خدائی کر لوں
جھوٹ ہی کہہ دو، ہاں تم سے محبت ہے ہمیں

○ خضر برنی

خوابیدہ حسرتوں کو بھی راحت ہوئی نصیب
زلفوں کے سائے میں جو ہمیں نیند آ گئی

○ خمار بارہ بنکوی

ہاتھ ہٹتا نہیں ہے دل سے خمار
ہم انہیں کس طرح سلام کریں

تجھ کو برباد تو ہونا تھا بہرحال خمار
ناز کر ناز کہ اُس نے تجھے برباد کیا

○ داغ دہلوی

دلِ برباد میں آباد ہوئے عشق و جنوں
کوئی بستی نہیں بہتر مرے ویرانے سے

اب تو بیمارِ محبت تیرے
قابلِ غور ہوئے جاتے ہیں

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاء اللہ
کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے

سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو
یہ دل ہے جدھر آ گیا آ گیا

لو لگائے خدا سے بیٹھے ہیں
آ گیا بیچ میں خیال ترا

حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر

لینا سنبھالنا کہ مرے ہوش اُڑ چلے
آتا ہے کوئی ہست قیامت کی شان سے

بھویں تنتی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے، تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

کیونکر اس کی نگہِ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

دل ہی تو ہے نہ آئے کیوں، دم ہی تو ہے نہ جائے کیوں
ہم کو خدا جو صبر دے، تجھ سا حسیں بنائے کیوں

روز کہتے ہیں آپ 'آج نہیں'
اس نہیں کا کوئی علاج نہیں

قسم ہے خدا کی مزا آ گیا
خدا کی قسم اُس نے کھائی جو آج

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

اِک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

گرمیرے ہوش رُبا کو نہیں دیکھا
اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کر
آنکھ جس جانب تمہاری اُٹھ گئی

تم خواب میں بھی آئے تو مُنھ کو چھپا لیا
دیکھو جہاں میں پردہ نشیں اور بھی تو ہیں

کہنے دیتی نہیں کچھ مُنھ سے محبت تیری
لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

وعدہ جھوٹا کرلیا چلیے تسلی ہوگئی
ہے ذرا سی بات خوش کرنا دلِ ناشاد کا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مُفت، کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں کدھر گئیں
اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا

یہی ہے مختصر حالِ شبِ وصل
خدا نے دن بڑھایا، رات کم کی

ہم نے مر کر ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں

ملے یہ آج مدت میں بہت روئے بہت تڑپے
وہ دردِ عشق سُن سُن کر، ہم اپنا درد کہہ کہہ کر

الٰہی کیوں نہیں آتی قیامت ماجرا کیا ہے
ہمارے سامنے پہلو میں وہ غیروں کے بیٹھے ہیں

آپ پچھتائیں نہیں، جور سے توبہ نہ کریں
آپ کے سر کی قسم داؔغ کا حال اچھا ہے

دل کا کیا حال کہوں، صبح کو جب اس بُت نے
لے کے انگڑائی کہا ناز سے 'ہم جلتے ہیں'

آتا ہے مجھ کو یاد سوالِ وصال پر ۔۔۔ کہنا کسی کا ہائے وہ مُنہ پھیر کر 'نہیں'

ذرا داؔغ کے دل پہ رکھو تو ہاتھ ۔۔۔ بہت تم نے دیکھے ہیں جلتے ہوئے

غضب ہے دیکھنا، اس سادگی پر مر گئے لاکھوں
کہا تھا کس نے بن بیٹھے وہ میرے سوگواروں میں

خبر سُن کے مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا
بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

میرے قابو میں نہ پہروں دل ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

دی مؤذن نے شبِ وصل اذاں پچھلے پہر
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

کیا کہیے کس طرح سے جوانی گزر گئی
بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی

اے داغ کیا کہوں شبِ فرقت کی واردات
جو تیرے ہاتھ سے مرے دل پر گزر گئی

عاشق کے دل میں اور تری آرزو نہ ہو
اس باغ کا تو پھول ہے پھر اس میں بو نہ ہو

اے دردِ عشق خانۂ دل گھر ترا سہی
آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو نہ ہو

آخر کو کفر عشق میں ایمان ہو گیا
میں بت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا

قاتل نہ ہاتھ روک کے رکتی ہے میری جان
خنجر تو اور دم کا نگہبان ہو گیا

دل لے کے اس کی بزم میں جایا نہ جائے گا
یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا

دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقیں
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ ناصحو
اب ہو گیا یہ جس کا طرفدار ہو گیا

اے داغ کیا بتائیں محبت میں کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہو گیا

میر درد

کبھو رونا ، کبھو ہنسنا ، کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز
گِلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

نہ مرتے ہیں ، نہ نیند آتی ہے ، نہ صورت بسر تی ہے
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت سب گزرتی ہے

بے طرح کچھ اُلجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سُلجھایا

اس نے کیا تھا وعدہ مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

کچھ ہے خبر تجھے بھی اُٹھ اُٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

دل شاہجہانپوری

آغازِ محبت سے انجامِ محبت تک
گزرا ہے جو کچھ ہم پر تم نے بھی سُنا ہو گا

نگاہِ مست سے او مُڑ کے دیکھنے والے
تجھے تو ہے، مجھے اپنی خبر نہیں، نہ سہی

نہ وہ آرامِ جاں آیا، نہ موت آئی شبِ وعدہ
اسی دُھن میں ہم اُٹھ اُٹھ کے ہزاروں بار بیٹھے ہیں

مصیبت ہے نگاہِ شرمگیں سے واسطہ دل کا
نہ آہِ سرد بھرنے دے، نہ مُنھ سے اُف نکلنے دے

وہ کون سا مقام تھا اے ضبطِ رازِ عشق
ہم جن حدوں میں چاک گریباں نہ کر سکے

رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے، دل پر وہ مصیبت ہوتی ہے
میں تارے گنتا رہتا ہوں، جب ساری دنیا سوتی ہے

مایوسِ ازل ہوں یہ مانا، ناکامِ تمنا رہنا ہے
جاتے ہو کہاں رُخ پھیر کے تم، مجھ کو تو ابھی کچھ کہنا ہے

مل گئی راحت ہمیشہ کے لئے نیند آ گئی
چارہ گر رخصت ہوئے بیمار اچھا ہو گیا

موہن سنگھ دیوانہ

محبّت چاہتی ہے اور بھی کچھ
یہ مانا تو ہمارے رُوبرو ہے

نہ وہ سمجھے مرے دل کو، نہ میں سمجھا مزاج اُن کا
محبّت میں نیا نہ رونا نہ دونوں ہی پریشاں ہیں

جب کہتا ہوں میں آپ رقیبوں سے نہ ملیئے
فرماتے ہیں ہنس کر، ارے یہ تنگ دلی چھوڑ

ملتے بھی ہیں کہیں تو وہ ملتے ہیں اس طرح
گویا کبھی میں اُن سے کہیں بھی مِلا نہیں

○ ذوقؔ

بے محبت نہیں اے ذوقؔ شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوقؔ محبّت کے مزے

دل کو رفیق عشق میں اپنا سمجھ نہ ذوقؔ
ٹل جائے گا یہ اپنی بَلا تجھ پہ ٹال کے

حکایت دل کی کہتا ہوں، سمجھتے ہو شکایت ہے
تمہیں سمجھو ذرا دل میں کہ سمجھے بھی تو کیا سمجھے

پہلے بُتوں کے عشق میں ایمان پر بنی پھر ایسی آبنی کہ مری جان پر بنی

پھر تو آئے خیر سے ہم جا کے اُس مغرور تک
پر اُچھلتا ہی رہا اپنا کلیجہ دُور تک

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے
یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

تو ہماری زندگی، پر زندگی کی کیا اُمید
تو ہماری جان، لیکن کیا بھروسہ جان کا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا
کام جنّت میں ہے کیا ہم سے گنا ہگاروں کا

شکر پردے میں ہی اس بُت کو حیا نے رکھا
ورنہ ایمان گیا ہی تھا، خدا نے رکھا

ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے
نہ اس پر بھی اگر سمجھے تو اس بُت کو خدا سمجھے

بیمارِ محبّت نے لیا تیرے سنبھالا لیکن وہ سنبھالے سے سنبھل جائے تو اچھا

○ راسخ

صبح سے ہے بیتابی جی کو، آہ نہیں کچھ بھاتا ہے
دیکھئے کیا ہو شام تلک، جی آج بہت گھبراتا ہے

○ احمد راہی

میں سوچتا ہوں زمانے کا حال کیا ہوگا
اگر یہ اُلجھی ہوئی زُلف تُو نے لہرائی
کہیں یہ اپنی محبت کی انتہا تو نہیں
بہت دنوں سے تری یاد بھی نہیں آئی

○ راہی معصوم رضا

غم تو اس کا ہے کہ وہ عہدِ وفا ٹوٹ گیا
بے وفا کوئی بھی ہو، تم نہ سہی ہم ہی سہی

○ آفتاب رائے رُسوا

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہے
اس دیوانے دل کو رُسوا کس طرح سمجھائیے

○ پیارے لال رشید

مار ڈالے گی مجھے یہ خوش بیانی آپ کی
موت بھی آئے گی مجھ کو تو زبانی آپ کی

زندگی کہتے ہیں کس کو، موت کس کا نام ہے؟
مہربانی آپ کی ، نامہربانی آپ کی

○ آلِ رضا رضاؔ

تم وہ تم ہی نہ رہو، بھول سکوں گر تم کو
میں، وہ میں ہی نہ رہوں، تم جو کرو یاد مجھے

وہ کرے کیا؟ کچھ نہ آئے جس کو منت کے سوا
پھر یونہی منت کریں گے ہم، خفا ہو جائیے

فریاد کر رہی ہے وہ ترسی ہوئی نگاہ
دیکھے ہوئے کسی کو بہت دن گزر گئے

دم ہے کہ ہے اکھڑا اکھڑا سا، اور وہ بھی نہیں آچکتے ہیں
قسمت میں ہو مرنا یا جینا، اب ہو بھی چکے جو ہونا ہے

نگاہِ لُطف کا تیری بہت ممنوں ہوں لیکن
مروّت کے علاوہ اور بھی اک شے محبّت ہے

زندگی ختم جہاں کی، وہ جگہ پھر نہ ملی
تیرے کوچے سے اُٹھائے لئے جاتے ہیں مجھے

رضا لکھنوی

فریاد کر رہی ہے یہ ترسی ہوئی نگاہ
دیکھے ہوئے کسی کو زمانہ گزر گیا

رِند

وعدے پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

پھینک دوں دل کو ابھی چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہیں، دل پر تو ہے قابُو اپنا

رَوش صدیقی

خموشی سے بھی بارِ ترجمانی اُٹھ نہیں سکتا
بہت غمناک رُودادِ محبّت ہوتی جاتی ہے

آپ کرتے ہیں بار بار، نہیں، ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

ریاض خیر آبادی

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

دیکھیئے گا سنبھل کے آئینہ سامنا آج ہے مقابل کا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

آنچل ڈھلا رہے مرے مستِ شباب کا اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے

چلی بھی تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رُک رُک کے
یہ کچھ ان سے بھی بڑھ کر نازنیں معلوم ہوتی ہے

صدقے شوخی کے، یہ ڈرتا ہوں، دمِ وعدۂ وصل
لب پہ آجائے تبسم نہ قسم سے پہلے

خدا جانے یہ کس کی رہگزر ہے کس کی تربت ہے
وہ جب گزرے اِدھر سے گر پڑے دو پھول دامن سے

کوئی منھ چوم لے گا اس 'نہیں' پر جبیں رہ جائے گی یونہی جبیں پر

دمِ آخر ہے، اُلجھن بڑھ رہی ہے اور اُلجھن پر
یہ نازک وقت ہے تم بال بکھرائے کہاں آئے

کبھی حرفِ محبت تا بہ لب آیا تھا چپکے سے
اسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہو کر

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں
اس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

غم مجھے دیتے ہو اوروں کی خوشی کے واسطے
کیوں بُرے بنتے ہو تم ناحق کسی کے واسطے

جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگائے ان کو
ان حسینوں سے کسی بات کا شکوہ کیسا

یہ آدھی رات کو ان کا پیام آیا ہے
'ہم آج آ نہیں سکتے' اب انتظار نہ ہو

ہماری آنکھوں میں آؤ تم ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری کہ تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

چھیڑ کیسی، بات کہتے رُوٹھ جاتے ہیں ریاض
اِک حسیں ہر وقت ہو اُن کو منانے کے لئے

آتے آتے جو ترے لب پہ تبسم بن جائے
اِس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو بیاں کوئی

کیا حسرت سے رُخصت صبح کے تاروں کو یہ کہکر
کہ جن کا شام سے تھا آسرا اب تک نہیں آئے

○ ساحر لدھیانوی

یہ چند کلیاں نشاط کی چُن کر
مدّتوں محوِ یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مِل کر اُداس رہتا ہوں

اپنی تباہیوں کا مجھے کوئی غم نہیں
تم نے کسی کے ساتھ محبت نباہ تو دی

گر زندگی میں مِل گئے پھر اتفاق سے
پوچھیں گے حال تری بے بسی سے ہم

تجھ کو خبر نہیں مگر اِک سادہ لوح کو
برباد کر دیا ترے دو دن کے پیار نے

یہ تنہائی کی تاریکی تو بڑھتی اور بھی ہمدم
غنیمت ہے کہ یادوں سے چراغاں کر لیا میں نے

تم میرے لئے اب کوئی الزام نہ ڈھونڈو
چاہا تھا تمہیں اِک یہی الزام بہت ہے

کہیں گو بجے گی شہنائی تڑپے گا درد انگڑائی
ہزاروں غم ترے غم کے بہانے یاد آئیں گے

مجھے معلوم ہے انجام رُودادِ محبت کا
مگر کچھ اور تھوڑی دیر سعیٔ رائیگاں کرلوں

آپ کو میرے تعارف کی ضرورت کیا ہے
میں وہی ہوں کہ جسے آپ نے چاہا تھا کبھی

پلکوں پہ لرزتے اشکوں میں تصویر جھلکتی رہتی ہے
دیدار کی پیاسی آنکھوں کو اب پیاس بھی ہر اور پیاس نہیں

ہم کریں ترکِ وفا، اچھا چلو یونہی سہی
اور اگر ترکِ وفا سے بھی نہ رُسوائی گئی

اُن کا غم، اُن کا تصوّر، ان کے شکوے اب کہاں
اب تو یہ باتیں بھی اے دل ہو گئیں آئی گئی

رک گئے جب تیرے لب پھر تجھ کو کیا شکوہ اگر
زندگانی بادہ و ساغر سے بہلائی گئی

جہاں جہاں تری زلفوں کی اوس ٹپکی ہے
وہاں وہاں سے ابھی تک غبار اٹھتا ہے

کس درجہ دل شکن تھے محبت کے حادثے
ہم زندگی میں پھر کوئی ارمان کر سکے

تیری نظروں کی محبّت کی تمنّا نہ سہی
تیری نظریں مری ہمراز تو بن سکتی ہیں
چار دن کے لیے تکلیفِ مروّت کر کے
اک نئے درد کا آغاز تو بن سکتی ہیں

ساغر نظامی

کچھ حقیقت نہ ہو محبت کی
نشّہ سا اک ضرور رہتا ہے

یہ ترا تصوّر ہے یا میری تمنّا ہیں
دل میں کوئی رہ رہ کے دیپک سے جلاتا ہے

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پہ
یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

کچھ تمہارے گیسوؤں کی برہمی نے کر دیئے
کچھ اندھیرے میرے گھر میں روشنی سے ہو گئے

باقی اب امتحانِ وفا میں ہے اور کیا
لے ضبط کر گیا ترے دردِ نہاں کو میں

کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے
حُسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے

عبد المجید سالکؔ

تجھے کچھ عشق و اُلفت کے سوا بھی یاد ہے اے دل
سُنائے جا رہا ہے ایک ہی افسانہ برسوں سے

عشق ہے بے گداز کیوں، حُسن ہے بے نیاز کیوں
میری وفا کہاں گئی، اُن کی جفا کو کیا ہوا

نہ تھی امید، نہ وعدے پہ اعتبار کیا
غضب ہے پھر بھی ترا ہم نے انتظار کیا

غم کے ہاتھوں جو مرے دل پہ سماں گزرا ہے
حادثہ ایسا زمانے میں کہاں گزرا ہے
زندگی کا ہے خلاصہ وہی اک لمحۂ شوق
جو تری یاد میں اے جانِ جہاں گزرا ہے
حالِ دل سُن کے وہ آزردہ ہیں، شاید اُن کو
اِس حکایت پہ شکایت کا گماں گزرا ہے

سائل دہلوی

تیغ نہ تھی ادا تو تھی، نیتِ قتل کیوں پھری
میں نے یہ کب کہا کہ یوں، میں نے نہیں کہا کہ یوں

اہلِ محشر دیکھ لوں، قاتل کو تو پہچان لوں
بھولی بھالی شکل تھی اور کچھ بھلا سا نام تھا

دمِ رخصت مجھے تم یہ تو بتاتے جاتے
دم رُکا جاتا ہے کیوں سینے میں آتے جاتے

آہ کرتا ہوں تو آتے ہیں پسینے اُن کو
نالہ کرتا ہوں تو راتوں کو وہ ڈر جاتے ہیں

ملیں غیروں سے، مجھ سے رنج، غم یوں بھی ہے اور یوں بھی
وفا دشمن، جفا جو کا ستم یوں بھی ہے اور یوں بھی

مجھے باور ہے تم جھوٹے نہیں، وعدے کے سچے ہو
قسم کیوں کھاؤ ناجائز قسم یوں بھی ہے اور یوں بھی

سحر رامپوری

زمانہ ہنس رہا ہے اور میں رو بھی نہیں سکتا
یہ حالت کس قدر مجبوریوں کی زندگانی ہے

مہندر سنگھ بیدی سحر

ہزار بار بھی وعدہ وفا نہ ہو لیکن
میں اُن کی راہ میں آنکھیں بچھا کے دیکھ تو لوں

زندگی سوز بنے ساز نہ ہونے پائے
دل تو ٹوٹے مگر آواز نہ ہونے پائے

سراج لکھنوی

جو تمنّا دل میں تھی وہ دل میں گھُٹ کر رہ گئی
اس نے پوچھا بھی نہیں، ہم نے بتایا بھی نہیں

اکیلی راتیں، اُداس منظر، یہ ٹھنڈی سانسیں، یہ گرم آنسو
کوئی نہیں ہے تو یادِ ماضی تجھی کو آ میں گلے لگا لوں

○ نواب سعید

کچھ یاد کر کے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
مدّت کے بعد گزرے جو اس کی گلی سے ہم

○ سلام مچھلی شہری

میں نہ کہتا تھا کہ سُلجھا لو یہ زُلفِ منتشر
اب تمہیں دیکھو زمانہ کتنا اُلجھا جائے ہے

بس اِک تکلیفِ تبسّم، بس اِک حسین نظر
مریضِ غم کی یہ حالت سنبھل تو سکتی ہے

○ سلیم فیض آبادی

حسرتِ دیدار میں لذّت کا باعث ہے یہی
سب سے پردہ ہو نہ ہو، مجھ سے تو پردہ چاہیئے

○ سودا

اے میاں عشق کے ماروں کو کہیں ٹھور نہیں
دل نہیں، صبر نہیں، آپ نہیں، اور نہیں

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیئے تو نے اسے کس آن سے دیکھا

مسیحا سن کے اٹھ جاوے جو کچھ کہیئے دوا کیجے
محبت سخت بیماری ہے اس کو آہ کیا کیجے

وہ صورتیں الٰہی کس مُلک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب بھلی راتیں
دو چار گھڑی رونا، دو چار گھڑی باتیں

مت پوچھ یہ کہ کٹی رات کیونکہ تجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ، پیارے گزر گئی

سوز سکندر پوری

میں کروں تم سے گلہ میرا یہ شیوہ ہی نہیں
بات ہی بات میں یہ بات نکل آئی ہے

سحاب قزلباش

یہ دل کی داستانِ مضطرب ہے جس کو دنیا میں
کہیں آنسو، کہیں موتی، کہیں شبنم بھی کہتے ہیں

○ سہیل مراد آبادی

جب تک نہ ملے تھے تو جدائی تھی قیامت
اب مل کے بچھڑ جانے کا غم یاد رہے گا

○ سیف الدین سیف

دل ترا ہو گیا تو کیا غم ہے ۔ یہ کسی کا ہوا ہی کرتا ہے

دل سنبھل کر بھی پیچ و تاب میں ہے ۔ زلف بکھری تو کچھ سنور ہی گئی

کھول دو اِن سیاہ بالوں کو ۔ روک دو صبح کے اُجالوں کو

ایسے لمحے بھی گزارے ہیں تری فرقت میں
جب تری یاد بھی اس دل پہ گراں گزری ہے

تھکی تھکی سی فضائیں، بجھے بجھے تارے
بڑی اُداس گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
ابھی نہ جاؤ کہ تاروں کا دل دھڑکتا ہے
تمام رات پڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
دمِ فراق میں جی بھر کے تجھ کو دیکھ تو لوں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

سیف کیا چار دن کی رنجش سے		اتنی مدت کا پیار ٹوٹ گیا

تیرا خیال ہی مری یادوں کا حسن تھا		عہدِ فراق نے تری صورت بھی چھین لی

موت سے تیرے دردمندوں کی		مشکل آسان ہو گئی ہوگی

اُن سے بھی چھین لو گے یاد اپنی		جن کا ایمان ہو گئی ہوگی

○ سیماب اکبرآبادی

دل کی بساط کیا تھی نگاہِ جمال میں
اک آئنہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں

کچھ وقت کٹ گیا جو تری یاد کے بغیر
ہم پر تمام عمر وہ لمحے گراں رہے

اب مجھ کو ہے قرار تو سب کو قرار ہے
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

○ شاد عظیم آبادی

کہیں جواب ہے اس حد کی بدگمانی کا		کہ شکر بھی جو کروں تو اسے گلہ کہیے

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگیں ہوتی ہے
تڑپ اے دل، تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

شب کو مری چشمِ حسرت کا سب دُکھ درد اُن سے کہہ جانا
دانتوں میں دبا کر ہونٹ اپنا، کچھ سوچ کے اُن کا رہ جانا

دیدنی تھا یہ سماں تیرے بکھرنے کی قسم
سکتہ آئینے کا، جلوہ ترا، حیرت میری

بسا ہوا ہے ترے پیرہن سے اپنا دماغ
ہزار پھولوں کو سونگھا کسی میں تُو ہی نہیں

یہ سب دُرست کہ تم بُت بھی ہو خدا بھی ہو
مگر نیاز کے قابل یہ دل رہا بھی نہیں

کہنے لگتے ہیں جوانی کی کہانی جو کبھی
پہلے ہم دیر تلک بیٹھ کے رو لیتے ہیں

پلٹ کے دیکھ تو لینا اگر جواب نہ تھا
حیا سے گڑ گئے تجھ کو پُکارنے والے

بات کچھ خطرے کی ہوگی نامہ بر
ورنہ وہ اور یہ جوابِ مختصر

اُلجھ نہ ہم سے تو قاصد کو ہم نے کیا، اے دل!
سکھا دیا تھا کہ جانا تو جا کے رہ جانا

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں
دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

۱۰ آغا شاعر قزلباش

عشق کی آگ کو بجھ بجھ کے سُلگتے دیکھا
یہ وہ فتنہ ہے کہ مِٹ مِٹ کے نمودار ہوا

پہلے اس میں اِک ادا تھی، ناز تھا، انداز تھا
رُوٹھنا اب تو تری عادت میں شامل ہوگیا

محبت بھی کیا چیز ہے دیکھنا
اِدھر بات کی چشم تر ہوگئی

اپنی کہی تو لاکھ زبانیں ہیں بات میں
میری سُنی تو سُنتے ہی خاموش ہو گئے

ہے تیری ہی سی شکل مگر شوخیاں نہیں
چُپ چُپ جبھی تو ہے تری تصویر کیا کریں

تم کہاں، وصل کہاں، وصل کے ارمان کہاں
دل کے بہلانے کو اک بات بنا رکھی ہے

اِک ستم گر پہ ہم بھی مرتے ہیں
آپ کا سا شباب ہے بالکل

الٰہی کیا کریں، کیوں کر جئیں، آخر کہاں جائیں
کہ ارماں تیر بن بن کر ہمارے دل میں رہتے ہیں

ہم تمہیں یاد کبھی آئے تو کبھی بھولے سے
تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو بہت یاد کریں

یہی رفتار کا انداز ہے تو کیا ٹھکانا ہے
خدا جانے کہاں چھپنا پڑے جا کر قیامت کو

وہ ہنسی پھر گئی آنکھوں میں جو بجلی چمکی
غنچہ چٹکا تو مجھے اس کا دہن یاد آیا

ہائے اس کہنے کے صدقے کیوں نہ مر جائے کوئی
"مر مٹا کوئی تو پھر احسان ہم پر کیا ہوا"

بلا سے راہ میں تو بات ہو گی
چلو چلتا ہوں میں دشمن کے گھر تک

نبض دیکھی، حال پوچھا اُٹھ چلے
بیٹھئے صاحب، بھلا یہ آئے کیا

کہاں اُٹھ کر چلے ہم بھی تو اُٹھتے ہیں ذرا ٹھہرو
گھڑی ساعت کے ہیں اب کیا بھروسہ زندگانی کا

بجلی کی طرح آئے ہوا کی طرح گئے
تم بھی تو کوئی دل ہو کسی بے قرار کا

حشر میں انصاف ہوگا، بس یہی سنتے رہو
کچھ یہاں ہوتا رہا ہے، کچھ وہاں ہو جائے گا

(۹)

کلیجے میں ہزاروں داغ دل میں حسرتیں لاکھوں
کمائی لے چلا ہوں ساتھ اپنے زندگی بھر کی

○ شبلی نعمانی

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یک سُو ہو جائے
تم خفا ہو تو اجل کو ہی میں راضی کرلُوں

○ شرر بلیاوی

صبح دم زلفیں نہ یوں بکھرائیے
لوگ دھوکا کھا رہے ہیں شام کا

○ شرف

شاخِ گُل جھُوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی
پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

○ شعری بھوپالی

محبّت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

شفیق جونپوری

وعدے کی رات نیند نے فرصت انہیں نہ دی
افسوس جاگ کر مری تقدیر سو گئی

اس زُلف کا کیا کہنا جو دوش پہ لہرائی
سمٹی تو بنی ناگن، پھیلی تو گھٹا چھائی

شکیل بدایونی

اُن کی یاد، اُن کی تمنا، اُن کا غم
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے

خوشی نہ غم کی، نہ غم خوشی کا عجیب عالم ہے زندگی کا
چراغِ افسردۂ محبت نہ بجھ رہا ہے نہ جل رہا ہے

اتنے فریب کھائے ہیں حُسنِ تمام سے
نفرت سی ہو گئی ہے محبت کے نام سے

غمِ عشق رہ گیا ہے، غمِ جستجو میں ڈھل کر
وہ نظر سے چھپ گئے ہیں مری زندگی بدل کر

وہ آتے ہیں شکیلؔ اب اپنے دل سے ہاتھ دھو بیٹھو
نگاہِ ناز کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا

محبّت ہی میں ملتے ہیں شکایت کے مزے پیہم
محبّت جتنی بڑھتی ہے شکایت ہوتی جاتی ہے

آپ خونِ عشق کا الزام اپنے سر نہ لیں
آپ کا دامن سلامت اپنے قاتل ہم سہی

اتنے قریب آ کے بھی کیا جانے کس لئے
کچھ اجنبی سے آپ ہیں کچھ اجنبی سے ہم

سازِ اُلفت چھڑ رہا ہے آنسوؤں کے ساز پر
مُسکرائے ہم تو اُن کو بدگمانی ہو گئی

مشکل تھا کچھ تو عشق کی بازی کو جیتنا
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے

اُن کا ذکر، اُن کی تمنّا، اُن کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے اِن دنوں

شیفتہ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

جس لب کے غیر بوسے لے اس لب سے شیفتہ
کمبخت گالیاں بھی نہیں میرے واسطے

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کس کے وعدے پہ ہے اتنا انتظار مجھے

اظہارِ عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

اس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سنا اضطراب میں

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں، پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیبِ داستاں کے لئے

○ وزیر علی صبا

دل میں اِک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا

○ بدرالدین صبر

مستیِ نگاہِ ناز کی کیفِ شباب میں
جیسے کوئی شراب مِلا دے شراب میں

○ صدیق

اُلٹ دے اے صبا تو ہی نقابِ رُخ کو چہرے سے
کبھی تو دیکھ لیں ہم بھی ذرا سرکار کی صورت

○ صغیر

جب کہا حیرت ہے، میں تم پر فدا، تم غیر پر
ہنس کے بولے، اپنے اپنے دل کے آجانے کی بات

○ صفی اورنگ آبادی

چودھویں کے چاند کو دیکھو ذرا میری قسم
ہو بہو گویا تمہارے ناز کی تصویر ہے

○ صفی لکھنوی

الٰہی زندگی کیا، موت کیا، بیمارِ ہجراں کی
پریشاں خواب وہ، تعبیر یہ خوابِ پریشاں کی

دیں بھی جوابِ خط کہ نہ دیں کیا خبر مجھے
کیوں اپنے ساتھ لے نہ گیا نامہ بر مجھے

دل دے دیا صفی مگر اس کی خبر نہ تھی
پینا پڑے گا ہجر میں خونِ جگر مجھے

جنازہ روک کر میرا وہ اس انداز سے بولے
گلی ہم نے کہی تھی تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

نزع کا وقت ہے بیٹھے رہیئے   آپ اُٹھے تو قیامت ہوگی

○ صہبا اکبر آبادی

انہیں خط سے نہ ہوگا نامہ بر اندازۂ الفت
لے اپنا دل تجھے دے دوں جو تو ان کو یہ دکھلا دے

○ ضامن

دنیا میں پھر وہ کام کے قابل نہیں رہا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل نہیں رہا

16403

○ طالبؔ

وہ میرے بعد روتے ہیں، اب ان سے کوئی کیا پوچھے
کہ پہلے کس لئے ناراض تھے، اب مہرباں کیوں ہو

○ بہادر شاہ ظفرؔ

عمرِ دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

اپنے مرنے کا غم نہیں لیکن ہائے تجھ سے جدائی ہوتی ہے

سُنا میں نے کٹی اُن کی بھی ساری رات آنکھوں میں
کسی نے میرا افسانہ سُنایا کچھ نہ کچھ ہوگا

آنکھ چاہت کی ظفر کوئی بھلا چھپتی ہے
اُس سے شرماتے تھے ہم ہم سے وہ شرماتا تھا

کیا بات یاد آگئی اُس کو کہ اے ظفر
وہ یک بہ یک جو سُن کے مرا نام ہنس پڑا

تُو نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں
ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

○ ظہیر

بس اِسی مُنھ سے شکایت کرنے بیٹھے تھے ظہیر
خود پشیماں ہو گئے اُس کو پشیماں دیکھ کر

○ عابد علی عابد

جن کے شام بدن سائے میں میرا من سُستایا تھا
اب تک آنکھوں کے آگے وہ بال گھنیرے پھرتے ہیں

کوئی ہمیں بھی یہ سمجھا دو، اُن پر دل کیوں ریجھ گیا
تیکھی چتون، بانکی چھب والے بہتیرے پھرتے ہیں

○ عبد الحمید عدمؔ

اے دوست میرے سینے کی دھڑکن تو دیکھنا
وہ چیز تو نہیں ہے محبت کہیں جسے

وہ آتے ہیں تو دل میں کچھ کسک معلوم ہوتی ہے
میں ڈرتا ہوں کہیں اس کو محبت تو نہیں کہتے

نہ جانے کون سی منزل ہے یہ محبت کی
کہ تم کو دیکھ کر ناشاد ہو گیا ہوں میں

ترے بغیر کسی چیز کی کمی تو نہیں
ترے بغیر طبیعت اُداس رہتی ہے

مجھے آزمائش میں مت ڈالیئے گا
میں مر جاؤں گا آپ سے دُور ہو کر

یاد اک زخم بن گئی ورنہ بھُول جانے کا کچھ خیال تو تھا

تیرے نثارِ محبت میری گناہ سہی
پر اس گناہ کا تھوڑا سا احترام تو کر

ہے انتہائے شوق بھی اِک حادثے کا نام
نزدیک جاتے جاتے بہت دُور آ گئے

صرف اِک قدم اُٹھا تھا غلط راہِ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

میری مایوس محبت کی حقیقت مت پُوچھ
درد کی لہر ہے احساس کے پیمانے میں

بے تابئ دل کی کیفیت اس حال تک اب آ پہنچی ہے
جس حال میں ہر مایوسی کو انجام سہارا دیتا ہے

اے دل کبھی کبھی تو خود آتی ہے اُن کی یاد
کمبخت بار بار نہ آئے تو کیا کروں

زندگی کی گرم راتوں میں کسے آتی تھی نیند
اتفاقاً آپ کی زُلفیں پریشاں ہو گئیں

ابھی عدم کیا یقین آئے کہ چاندنی رات ہو گئی ہے
جو زلف بکھری تو دن ڈھلے گا، جو چاند نکلا تو رات ہو گی

تجھے کچھ علم ہے کہتی ہے دنیا
مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے

چُپ ہو گیا ہوں آپ کی صورت کو دیکھ کر
کرنی تھیں آپ سے مجھے کتنی شکایتیں

میں نے کبھی ضد تو نہیں کی پر آج شب
اے مہ جبیں نہ جا کہ طبیعت اُداس ہے

شائد مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

○ عرش ملسیانی

زندگی کشمکشِ عشق کے آغاز کا نام
موت انجام اسی درد کے افسانے کا

ہے دیکھنے والوں کو سنبھلنے کا اشارا
تھوڑی سی نقاب آج وہ سرکائے ہوئے ہیں

○ عزیز لکھنوی

خدا محفوظ رکھے عشق کے جذباتِ کامل کو
زمیں گردوں سے ٹکرائی جہاں دل مل گیا دل سے

عزیز منہ سے وہ اپنے نقاب تو اُلٹیں
کریں گے جبر اگر دل پہ اختیار رہا

رگیں کھنچنے لگیں، اب موت کا ہنگام آتا ہے
وہ جائیں، ورنہ اُن کے سر پہ سب الزام آتا ہے

جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی
اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا

شبِ فراق ذکرِ جوانی میں کٹ گئی
کیا رات تھی کہ ایک کہانی میں کٹ گئی

ہجر کی رات کاٹنے والے کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز تھا حُسن
بھُولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

وصالِ دائمی کیا ہے شبِ فرقت میں مرجانا
قضا کیا ہے، دلی جذبات کا حد سے گزر جانا

حادثے دونوں یہ عالم میں اہم گزرے ہیں
میرا مرنا، تری زُلفوں کا پریشاں ہونا

اب کھُل رہا ہے نزع میں یہ رازِ حسن و عشق
وہ شوخ دل میں تھا میں سمجھتا تھا درد تھا

آگ تو دل کی بُجھا لینے دو پھر پوچھنا
ہوش کس کو جو بتائے، کیا رہا کیا جل گیا

حُسن میں اور عشق میں گر ہے تو مشکل ایک ہے
اُس طرف ساری خدائی اس طرف دل ایک ہے

○ عظیم مرتضٰی

کچھ نقش تری یاد کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سر و ساماں سہی ویراں تو نہیں ہے

○ عندلیب شادانی

پہلے کچھ اور تھے ارمان مریضِ غم کے
اب تو بس ایک تمنا ہے کہ آرام نہ ہو

○ غالب

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اِس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھیے
غیر نے کی آہ اور وہ خفا مجھ سے ہوا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
دل میں کہتے ہیں کہ مُفت آئے تو مال اچھا ہے

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگُماں ہو جائے گا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

کی مِرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

ہائے اُس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہے جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستم گر! ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

یاں فلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہیں کہ میں
زُلف گر بن جاؤں تو شانے میں اُلجھا دیں مجھے

اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منھ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی

چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

○ فارغ بخاری

دل میں رہے نگاہ سے مستور ہو گئے
جتنے بھی وہ قریب ہوئے دُور ہو گئے

فانی بدایونی

دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

دل سے خیالِ یار کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

اُن کی آواز آ رہی تھی دل کے پاس
دیر تک کچھ گفتگو کرتے رہے

فانیؔ کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اُٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دُھواں دل سے اُٹھا

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دُور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا بات پہنچی تری جوانی تک

کیوں سادگی میں طور اب کچھ بانکپن کے ہیں
کل تک تو بانکپن میں ادا سادگی کی تھی

موت کا انتظار باقی ہے
آپ کا انتظار تھا، نہ رہا

بیمار تیرے جی سے گزر جائیں تو اچھا
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں، یہ مر جائیں تو اچھا

خیالِ یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے
اب اُن کی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو

رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں فانی
یہ اُن کی گلی ہے، ترا غم خانہ نہیں ہے

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے، کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کے اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

کھل گیا میری زندگی کا راز
اے شبِ ہجر تیری عمر دراز

اک فسانہ سُن گئے اِک کہہ گئے
میں جو رویا مُسکرا کر رہ گئے

آبادی بھی دیکھی ہے، ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے، دل وہ نرالی بستی ہے
جان سی شے بِک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی، اِن داموں تو سستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے، جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے، کھلتی ہے، نہ برستی ہے

○ فراقؔ گورکھپوری

معصوم ہے محبّت لیکن اسی کے ہاتھوں
اے جانِ عشق میں نے تیرا بُرا بھی چاہا

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
نہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

ہم سے کیا ہو سکا محبّت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

بجا یہ ضبطِ غم لیکن محبت میں کبھی رو لے
دبانے کے لئے ہر درد او ناداں! نہیں ہوتا

مجھے خبر نہیں اے ہمدمو، سُنا یہ ہے
کہ دیر دیر تک اب میں اُداس رہتا ہوں

آج آنکھوں میں کاٹ لے شبِ ہجر
[illegible]کانی پڑی ہے سو لینا

[illegible]ج انھیں مہربان پا کر ہم
خوش ہوئے اور جی میں ڈر بھی گئے

کشتیٔ دل بچائیے اتنا رہے مگر خیال
ڈوبے اگر تو پار ہو، پار لگے تو ڈوب جائے

میں آج صرف محبّت کے غم کروں گا یاد
یہ اور بات ہے تیری بھی یاد آجائے

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

شام بھی تھی دھواں دھواں، عشق بھی تھا اُداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

غرض کہ ہوش میں آنا پڑا محبت کو
ہمیں کو دیکھ لیں دیوانے ترے دُور نہ جائیں

ذرا وصال کے بعد آئنہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

ترے سوا بھی حسیں ہیں بقول ان آنکھوں کے
دل اس کو مان بھی لیتا ہے، دُکھ بھی جاتا ہے

تم مخاطب ہو، قریب بھی ہو
تم کو دیکھوں، کہ تم سے بات کروں

یک لخت چونک اُٹھا ہوں جب دم پڑی ہے آنکھ
آئے تم آج بھولی ہوئی یاد کی طرح

میں دیر تک تجھے خود ہی نہ روکتا لیکن
تو جس ادا سے اُٹھا ہے، اُسی کا رونا ہے

حسیں بھی ہو تم، اچھے آدمی بھی ہو، گِلہ یہ ہے
محبّت والوں سے تم کو محبّت ہے، مگر کم کم

آتشِ عشق بھڑکتی ہے دوا سے پہلے
ہونٹ جلتے ہیں محبّت میں دُعا سے پہلے

مان لو تم سے رُوٹھ جائے کوئی
تم بھلا کس طرح مناؤ گے

کوئی آیا، نہ آئے گا لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں

بہت دنوں میں محبّت کو یہ ہوا معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

کچھ ایسی بھی گزری ہیں ترے ہجر میں راتیں
دل درد سے خالی ہو، مگر نیند نہ آئے

حُسن کو بس حُسن ہی سمجھے نہیں اور اے فراق
مہرباں نامہرباں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

تھی یوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اُٹھا فراقؔ کہ میں مُسکرا دیا

ہمیں بھی دیکھ جو اس درد سے کچھ ہوش میں آئے
ارے دیوانہ ہو جانا محبّت میں تو آساں ہے

محبّت میں مری تنہائیوں کے ہیں کئی عُنواں
ترا آنا، ترا ملنا، ترا اُٹھنا، ترا جانا

کہاں کا وصل، تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے
ترے دم بھر کے آجانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

نہ کوئی وعدہ، نہ کوئی یقیں، نہ کوئی اُمید
مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

کچھ آدمی کو ہیں مجبُوریاں بھی دنیا میں
ارے وہ دردِ محبت سہی، تو کیا مر جائیں

یادِ آغازِ محبّت کی دلوں سے نہ گئی
قافلے گھر سے بہت دُور نہ ہونے پائے

تجھ کو پا کر بھی نہ کم ہو سکی بے تابیِ دل
اِتنا آسان ترے عشق کا غم تھا بھی کہاں

کہیں نہ تم سے تو پھر اور جا کے کس سے کہیں
سیاہ زُلف کے سایو! بڑی اُداس ہے رات

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی
آسمانوں کو نیند آئی ہے

سانس لیتی ہے وہ زمینِ فراق
جس سے وہ ناز سے گزرتے ہیں

سامنے تیرے جیسے کوئی بات
یاد آ آ کے بھول جاتی ہے

جوانی آئی، اور یوں دبے پاؤں آئی
کہ جیسے حُسن کو خود اپنی یاد آ جائے

دل دُکھ کے رہ گیا، یہ الگ بات ہے مگر
ہم بھی ترے خیال سے مسرور ہو گئے

کھوتے ہیں اگر جان تو کھو لینے دے
ایسے میں جو ہو جائے وہ ہو لینے دے
اِک عمر پڑی ہے صبر بھی کر لیں گے
اس وقت تو جی بھر کے رو لینے دے

بس اک عشق کے خراب ہونے کی دیر تھی
شباب تھا سنور گیا، زمانہ تھا گزر گیا

آہ کب تُو نے بے وفائی کی
بات الگ ہے غمِ جُدائی کی

آج تو دردِ ہجر بھی کم ہے
آج تو کوئی آیا ہوتا

نگاہِ یار خبر تھی نہ تیرے دھاروں کی
جو تُو نے یاد دلایا تو مجھ کو یاد آیا

جو بھولتی بھی نہیں یاد بھی نہیں آتیں
تری نگاہ نے وہ کیوں کہانیاں نہ کہیں

اپنی ہی گرمی سے آیا عشق میں وہ بانکپن
اپنی ہی گرمی سے گھائل ہو گیا حسنِ بتاں

آج تو حُسن و محبت ہو گئے تھے مل کے ایک
تُو نے وہ عالم نگاہِ ناز کا دیکھا نہیں
لے اُڑی تجھ کو نگاہِ شوق کیا جانے کہاں
تیری صورت پر بھی اب تیرا گماں ہوتا نہیں

نہ عشق ہی کو خبر ہو، نہ حُسن ہی جانے
کسی سے عالمِ مستی میں اس طرح کھل جاؤ

نکہتِ زلفِ پریشاں، داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

عالمِ حُسن و عشق کی کون وہ بات ہے جسے
بھولیں اگر تو یاد آئے، یاد کریں تو بھول جائے

تم آ گئے تو شبِ غم کے پُنچھ گئے آنسو
یہاں نہ تھا کوئی دن بھر، ابھی یہاں سے نہ جاؤ

محبت آنکھ جھپکاتی رہے پلکیں غم کی ماری ہیں
بہت جاگا ہوں اے شامِ فراق اب نیند آتی ہے

زندگی کو وفا کی راہوں میں
موت خود روشنی دکھاتی ہے

○ فنا نظامی

میرے جنوں کو زُلف کے سائے سے دُور رکھ
رستے میں چھاؤں پا کے مسافر ٹھہر نہ جائے

○ فہیم گورکھپوری

کہہ کے یہ پھیر لیا منھ ترے افسانے سے
"فائدہ روز کہی بات کے دُہرانے میں"

○ فیض احمد فیض

عشق دل میں رہے تو رُسوا ہو
لب پہ آئے تو راز ہو جائے

رنگ پیراہن کا، خوشبو زُلف لہرانے کا نام
موسمِ گُل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

کر رہا تھا غمِ جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

یادوں کے گریبانوں کے رفو پر دل کی گزر کب ہوتی ہے
اک بخیہ اُدھیڑا، ایک سِیا، یوں عمر بسر کب ہوتی ہے

دل نا اُمید تو نہیں، ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام، مگر شام ہی تو ہے

اِک طرزِ تغافل ہے سو وہ اُن کو مُبارک
اِک عرضِ تمنّا ہے وہ ہم کرتے رہیں گے

اُٹھ کر تو آ گئے ہیں تری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کس دل سے آئے ہیں

نہ آج لُطف کر اتنا کہ کل گزر نہ سکے
وہ رات جو کہ ترے گیسوؤں کی رات نہیں
یہ آرزُو بھی بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

یہ بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہے لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

بڑا ہے درد کا رشتہ، یہ دل غریب سہی
تمہارے نام پہ آئیں گے غمگسار چلے
جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے

رازِ اُلفت چُھپا کے دیکھ لیا
دل بہت کچھ جلا کے دیکھ لیا
اور کیا دیکھنے کو باقی ہے
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا

کئی بار اُس کا دامن بھر دیا حُسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اُس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

جب تجھے یاد کر لیا، صبح مہک مہک اُٹھی
جب ترا غم جگا لیا، رات مچل مچل گئی

دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے میں ان کے سامنے بات بدل بدل گئی

اور کچھ دیر نہ گزرے شبِ فرقت سے کہو
دل بھی کم دُکھتا ہے، وہ یاد بھی کم آتے ہیں

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

ترا جمال نگاہوں میں لے کے اُٹھا ہوں
نکھر گئی ہے فضا تیرے پیرہن کی سی

نسیم تیرے شبستاں سے ہو کے آئی ہے
مری سحر میں مہک ہے ترے بدن کی سی

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

نہ پوچھ جب سے ترا انتظار کتنا ہے
کہ جن دنوں سے مجھے تیرا انتظار نہیں
ترا ہی عکس ہے ان اجنبی بہاروں میں
جو تیرے لب، ترے گیسو، ترا کنار نہیں

وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
دل ہے اکثر اداس رہتا ہے
تم تو غم دے کے بھول جاتے ہو
مجھ کو احساں کا پاس رہتا ہے

فصاحت

ابھی کم سِن ہیں، ضدیں بھی ہیں نرالی اُن کی
اس پہ مچلے ہیں کہ ہم دردِ جگر دیکھیں گے

قایم

کس بات پر تری میں کروں اعتبار ہائے
اقرار اک طرف ہے تو انکار اِک طرف

سیکھے ہو کس سے سچ کہو پیارے یہ چال ڈھال
تم اِک طرف چلو ہو تو تلوار اِک طرف

غیر سے مِلنا تمہارا سُن کے گو ہم چُپ رہے
پر سُنا ہو گا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا

ظالم تُو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
رُوٹھا تھا آپ تجھ سے میں اور آپ من گیا

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اِسی آزار میں بیمار بہت

○ قتیل شفائی

نہ جانے کون سی منزل پہ آ پہنچا ہے پیار اپنا
نہ ہم کو اعتبار اپنا، نہ ان کو اعتبار اپنا

قتیلؔ اب دل کی دھڑکن بن گئی ہے چاپ قدموں کی
کوئی میری طرف آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

آواز دی ہے تم نے کہ دھڑکا ہے دل مرا
کچھ خاص فرق تو نہیں دونوں صداؤں میں

Best

لوگ کہتے ہیں جنہیں نیل کنول وہ تو قتیلؔ
شب کو اِن جھیل سی آنکھوں میں کھلا کرتے ہیں

یوں تسلّی دے رہے ہیں ہم دلِ بیمار کو
جس طرح تھامے کوئی گرتی ہوئی دیوار کو

جب بھی کوئی ادا تری بہلا گئی مجھے
اپنی تباہیوں پہ ہنسی آ گئی مجھے

کیا کیجئے شکوہ دُوری کا، مِلنا بھی غضب ہو جاتا ہے
جب سامنے وہ آجاتے ہیں، احساسِ ادب ہو جاتا ہے

چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

وصل کی رات نہ جانے کیوں اصرار تھا ان کو جانے پر
وقت سے پہلے ڈوب گئے تاروں نے بڑی دانائی کی

ہمیں تو آج کی شب پَو پھٹے تک جاگنا ہو گا
یہی قسمت ہماری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
تمہیں کیا؟ آج بھی کوئی اگر ملنے نہیں آیا
یہ بازی ہم نے ہاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
ہمیں بھی نیند آجائے گی ہم بھی سو ہی جائیں گے
ابھی کچھ بے قراری ہے ستارو تم تو سو جاؤ

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بُوندیں
کوئی بدلی تری پازیب سے ٹکرائی ہے

صدمے جھیلوں جان پہ کھیلوں اس سے مجھے انکار نہیں
لیکن تیرے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں
ایک ذرا سا دل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو
یہ سونے کا طوق نہیں یہ چاندی کی دیوار نہیں

اِک دھوپ سی جمی ہے نگاہوں کے آس پاس
یہ آپ ہیں تو آپ کے قربان جائیے
کچھ کہہ رہی ہیں آپ کے سینے کی دھڑکنیں
میرا نہیں تو دل کا کہا مان جائیے

دمِ رخصت ہم اپنے آنسوؤں کو روک بھی لیتے
مگر یہ کارواں تیری رضا کے ساتھ چلتے ہیں

مولا بخش قلق

کچھ تماشا ہے، کھیل ہے، کیا ہے؟
اِک زمانے کو قتل کر بیٹھے

○ معین کوثر

سی لئے تھے لب تو اُن کے رُو برو ہم نے مگر
نمائشی نے بڑھ کے اظہارِ تمنّا کر دیا

○ کیف احمد صدیقی

کلیوں کو کون صحنِ چمن میں جگائے گا
خود سو گئی صبا تری زُلفوں کی چھاؤں میں

○ کیفی دتاتریہ

لاگ اِک دن بن کے رہتی ہے لگاؤ
ہاں لگاوٹ کچھ نہ کچھ باہم رہے

درد ہی کیا ہے، جس درد کا درماں ہو جائے
مشکل ایسی کوئی مشکل ہے جو آساں ہو جائے

وہ سب جرمِ وفا و عشق کا الزام دیتے ہیں
رہوں چُپ تو بھی مشکل ہے، کہوں کچھ تو بھی مشکل ہے

تو دیکھ رہا ہے جو مرا حال ہے قاصد
مجھ کو یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہا بخشی ہے مجھ کو ہجر کی تم نے مصیبت کیا
تو فرمایا کہ ناداں وصل کی بے ہجر لذّت کیا
کہا اب ہجر میں جو لب پہ آتی ہے تو فرمایا
جو ہر دم دل میں ہو گیا اس کا وصل اور اس کی فرقت کیا

○ ماجد

کم سنی کا حُسن تھا وہ، یہ جوانی کی بہار
تھا یہی تِل پہلے بھی رُخ پر، مگر قاتل نہ تھا

○ مائل نقوی

معلوم تھیں مجھے تری مجبوریاں مگر
تیرے بغیر نیند نہ آئی تمام رات

○ اسرار الحق مجاز

کچھ تمہاری نگاہ کافر تھی کچھ مجھے بھی خراب ہونا تھا

عشق کا ذوقِ نظارا مفت میں بدنام ہے
حُسن خود بیتاب ہے جلوے دکھانے کے لئے

تم بھی مجازِ انساں ہو آخر، لاکھ چھُپاؤ عشق اپنا
یہ بھید مگر کھُل جائے گا، یہ راز مگر افشاں ہوگا

پھر مری آنکھ ہو گئی نمناک
پھر کسی نے مزاج پوچھا ہے

روئیں نہ ابھی اہلِ نظر حال پہ میرے
ہونا ہے ابھی مجھ کو خراب اور زیادہ

کہتے ہیں لوگ موت سے بدتر ہے انتظار
میری تمام عمر کٹی انتظار میں

دل کو محوِ غمِ دلدار کئے بیٹھے ہیں
رِند بنتے ہیں مگر زہر پئے بیٹھے ہیں

یہ میرے عشق کی مجبوریاں معاذ اللہ
تمہارا راز تمہیں سے چھُپا رہا ہوں میں

آنکھ سے آنکھ جب نہیں ملتی
دل سے دل ہمکلام ہوتا ہے

ہم عرضِ وفا بھی کر نہ سکے، کچھ کہہ نہ سکے کچھ سُن نہ سکے
یاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی، واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے

حُسن کی بزمِ خاص میں جا کر اس سے زیادہ کیا ہو گا
کوئی نیا پیماں باندھیں گے، کوئی نیا وعدہ ہو گا

کیونکر ہوا ہے فاش زمانے پہ کیا کہیں
وہ رازِ دل جو کہہ نہ سکے رازداں سے ہم

مجرُوح سُلطانپوری

شبِ انتظار کی کشمکش یہ نہ پوچھ کیسے سحر ہوئی
کبھی اِک چراغ جلا دیا، کبھی اِک چراغ بُجھا دیا

سوال ان کا، جواب ان کا، سکوت ان کا، خطاب ان کا
ہم ان کی انجمن میں سر نہ کرتے خم تو کیا کرتے

کس کس کو تیرے تغافل کا دوں جواب
اکثر تو رہ گیا ہوں جُھکا کر نظر کو میں

دل سے ملتی تو ہے اِک راہ کہیں سے آ کر
سوچتا ہوں کہ تری راہگزر ہے کہ نہیں

کیوں کہوں گا میں کسی سے تیرے غم کی داستاں
اور اگر اے دوست لب پر تیرا نام آ ہی گیا

جفا کے نام پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں، بات ہے زمانے کی

وہ لجائے میرے سوال پر کہ اُٹھا سکے نہ جھکا کے سر
اُڑی زُلف چہرے پہ اس طرح کہ شبوں کے راز مچل گئے

ہائے پھر جانے کہاں سے مرے اشکوں کی طرف
اس کی اُلجھی ہوئی سانسوں کی ہوا آتی ہے

○ مجنوں عظیم آبادی

کسی کو بھیج کے خط ہائے یہ کیسا عذاب آیا
کہ ہر اِک پوچھتا ہے نامہ بر آیا، جواب آیا

○ مخدوم محی الدین

رات بھر دیدۂ نمناک میں لہراتے رہے
سانس کی طرح سے آپ آتے رہے جاتے رہے

○ مخمور دہلوی

محبّت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا
ہر اک داغِ تمنّا کو کلیجے سے لگاتا ہوں
کہ گھر آئی ہوئی دولت کو ٹھکرایا نہیں جاتا

تمہیں پہلے پہل دیکھا تو دل کچھ اس طرح دھڑکا
کوئی بھولی ہوئی صورت مجھے یاد آگئی جیسے

○ مصحفی

اپنے غم خانے میں بیٹھا ہوں اس انداز سے آج
جیسے مجھ کو ترے آنے کی ضرورت نہ رہی

خواریاں، بدنامیاں، رُسوائیاں
عشق نے شکلیں یہ سب دکھلائیاں

ایک صورت کے لئے اس عشق میں
سینکڑوں صورت کی ہیں رُسوائیاں

غم ترا دل میں مرے پھر آگ سُلگانے لگا
پھر دُھواں سا اس سے کچھ اُٹھتا نظر آنے لگا
دیکھتے ہی اس کے کچھ اس کی یہ حالت ہو گئی
جو مجھے سمجھائے تھا مَیں اس کو سمجھانے لگا

اس نے پھر یاد کیا ہے شاید
دل دھڑکنے کی صدا آئی ہے

وہ بھی دل کے ذکر پر ہنسنے لگا
دُور جا پہنچیں مری رُسوائیاں

مُسکرا کر اُس نے پوچھا حالِ دل
بُوند آنسو کی ڈھلک کر رہ گئی

زندگی جب عذاب ہوتی ہے عاشقی کامیاب ہوتی ہے

○ مظہر جانِ جاناں

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اِک شہر میں قاتل رہا ہے

○ معروف

روٹھنے کو تو چلے رُوٹھ کے ہم ان سے ولے
مُڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے

○ آنند نرائن مُلّا

عشق کرنا ہے تو پھر عشق کی توہین نہ کر
یا تو بے ہوش نہ ہو، ہو تو نہ پھر ہوش میں آ

نظر مِلا نہ سکے مجھ سے وہ تو کیا غم ہے
کہ دل سے دل کے دھڑکنے کا سلسلہ تو مِلا

کچھ تو ہے ویسے ہی رنگیں لب و رخسار کی بات
اور کچھ خونِ جگر ہم بھی مِلا دیتے ہیں

حدِ تکمیل کو پہنچی تری رعنائی حُسن
جو کسر تھی، وہ مٹا دی تری انگڑائی نے

جس کے خیال میں ہوں گُم، اس کو بھی کچھ خیال ہے
میرے لئے یہی سوال سب سے بڑا سوال ہے

نظر جس کی طرف کر کے نگاہیں پھیر لیتے ہو
قیامت تک پھر اُس دل کی پریشانی نہیں جاتی

مجھے دھوکا نہ دیتی ہوں کہیں تری ہوتی نظریں
تمہیں ہو سامنے یا پھر وہی تصویرِ خواب آئی

ہر اک صورت ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
الٰہی کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے

میرے ہر آنسو میں خوشبو، میرے ہر نالے میں راگ
اب تو ہر ہر سانس میں شامل تمہیں پاتا ہوں میں

ہاں یاد ہے کسی کی وہ پہلی نگاہِ لُطف
پھر خوں کو یوں رگوں میں نہ دیکھا رواں کبھی

تم جس کو سمجھتے ہو کہ ہے حسن تمہارا
مجھ کو تو وہ اپنی ہی محبت نظر آئی

ابھی شباب ہے، کرلوں خطائیں جی بھر کے
پھر اس مقام پہ عمرِ رواں ملے نہ ملے

○ مومنؔ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

رکھ لے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے
تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدّعا ہو کاش
خط اس نے میرا بھیج دیا ہے جواب میں

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

کیا سُناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تجھ سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دُعا کے ساتھ

حسرتیں یوں تو محبّت میں بہت ہوتی ہیں
دل میں رکھنے کا نکل آتا ہے ارماں کوئی

شبِ وصال ہے، گُل کردو اِن چراغوں کو
خوشی کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے
تم نے اچھّا کیا نباہ نہ کی

اِس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

مکتبِ عشق کا مومن ہے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

تھی وصل میں بھی فکرِ جُدائی کی سامنے
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

جاں نہ کھا وصلِ عدو سچ ہی سہی پر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم، وہ قسم کھا جائے ہے

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مہر

اب کس کے آگے دستِ تمنّا کریں دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے ہوئے

164503

میر تقی میر

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اِس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طبیب
اب جان کے ہی ساتھ یہ آزار جائے گا

مار رہتا ہے اس کو آخر کار
عشق کو جس سے پیار ہوتا ہے

ہوش جاتا نہیں رہا، لیکن جب وہ آتے ہیں تب نہیں آتا

وصل اُس کا خدا نصیب کرے
میرؔ جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

کتنے دنوں میں آئی تھی اُس کی شبِ وصال
باہم رہی لڑائی سو وہ رات بھی گئی

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں، میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اُن کی زُلفوں کے سب اسیر ہوئے

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا
کیا جُدائی کو مُنھ دکھاؤں گا

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

کھِلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم بازی سے

دیکھی تھیں ایک روز تری مست انکھڑیاں
انگڑائیاں سی لیتے ہیں اب تک خماریں

ہم خدا کے کبھی قائل ہی نہ تھے
اُن کو دیکھا تو خدا یاد آیا

دل گیا، رسوا ہوئے، آخر کو سودا ہو گیا
اِس دو روزہ زیست میں ہم پہ بھی کیا کیا ہو گیا

عشق بُرے ہی خیال پڑا ہے، چین گیا، آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر گیا ہے، صبح گیا یا شام گیا

کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے

کس طرح سے مانیئے، یارو، کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہے، ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی
جب نیرا نام سُن کے وہ بیتاب ہو گیا

دل مجھے اُس گلی میں لے جا کر
اور بھی خاک میں مِلا لایا

سخت کافر تھا جس نے پہلے میرؔ
مذہبِ عشق اختیار کیا

○ ناسخؔ

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں، کہاں جاؤں

آنے میں سدا دیر لگاتے ہی رہے تم
جاتے رہے ہم جان سے، آتے ہی رہے تم

اے اجل! ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

دل دوڑتا ہے کوچۂ دلدار کی طرف
جب سے نہیں ہے طاقتِ رفتار پاؤں میں

پہروں پھر بات مرے مُنھ سے نکلتی ہی نہیں
یاد آجاتی ہے تیری جو کوئی بات مجھے

○ ناصر کاظمی

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی اب یاد آیا

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئی ہے یُوں بھی طبیعت کبھی کبھی
تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی

مجھے یہ ڈر ہے تری آرزو نہ مٹ جائے
بہت دنوں سے طبیعت مری اداس نہیں

آنکھ کا تارا آنکھ میں ہے ۔ اب نہ گنیں گے تارے ہم

صبح سے چُپ ہیں ترے ہجر نصیب
ہائے کیا ہوگا اگر رات آئی

ترے فراق کی راتیں کبھی نہ بھُولیں گی
مزے ملے انہیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے

ترے خیال سے لَو دے اُٹھی ہے تنہائی
شبِ فراق ہے' یا تیری جلوہ آرائی
یہ سانحہ بھی محبّت میں بارہا گذرا
کہ اُس نے حال بھی پوچھا تو آنکھ بھر آئی

دیکھ محبّت کا دستور تو مجھ سے میں تجھ سے دُور
دل کی دھڑکن کہتی ہے آج کوئی آئے گا ضرُور

ناصرؔ

سُنی تھی شب کو میں نے بھی صدا غیروں کے ہنسنے کی
تمہاری بزم میں کوئی تو میرا نام لیتا تھا

تمہارا نام لیتا تھا تو کچھ تسکین ہوتی تھی
کوئی ہاتھوں سے گویا یہ کلیجہ تھام لیتا تھا

○ ناطق لکھنوی

ابتدا سے آج تک ناطق کی ہے یہ سرگزشت
پہلے چپ تھا، پھر ہوا دیوانہ، اب بیہوش ہے

دل ہے کس کا جس میں ارماں آپ کا رہتا نہیں
فرق اتنا ہے کہ سب کہتے ہیں، میں کہتا نہیں

○ نخشب جارچوی

میرا دامن سے لپٹنا آپ شاید بھول جائیں
مجھ کو اب تک آپ کا دامن چھڑانا یاد ہے

کوئی کس طرح رازِ اُلفت چھپائے
نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے

○ نسیم بھرتپوری

دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسُوان کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں

○ دیا شنکر نسیم

عشق کے رُتبے کے آگے آسماں بھی پست ہے
سر جُھکایا ہے فرشتوں نے بشر کے سامنے

لائے اس بُت کو التجا کر کے　　　کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

○ نظام رامپوری

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئینے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں، کوئی دیکھتا نہ ہو

بدنام کون ہو گا اگر مر گیا نظام
تم جانتے ہو کوئی اُسے جانتا نہیں

تم سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا　　　ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا

ہے کس کا انتظار، کہاں دھیان ہے لگا
کیوں چونک چونک پڑتے ہو آوازِ پا کے ساتھ

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مُسکرا کے ہاتھ

آپ کچھ سمجھے باتوں باتوں میں
حال کس کا سُنا دیا میں نے

○ قیّوم نظر

مِٹ مِٹ کے محبت میں تیری، یوں تجھ کو پکارے جاتے ہیں
کٹ کٹ کے دریا کی تہہ میں جس طرح کنارے جاتے ہیں

کیا موت نے بھی سیکھ لئے دلبری کے ڈھنگ
یہ طرزِ بے رخی تو اس آرام جاں کی ہے

دل توڑ کے جانے والے سُن، دو اور بھی رشتے باقی ہیں
اِک سانس کی ڈوری اٹکی ہے، اِک پریم کا بندھن رہتا ہے

کھا رہا ہوں ابھی فریبِ وفا
آرزو پھر بہل گئی شاید
ہنس رہا ہوں فراقِ دائم پر
غم کی صورت بدل گئی شاید

○ نوبت رائے نظر

اِس سے بڑھ کر اور کیا ہے سادہ لوحی عشق کی
آپ نے وعدہ کیا اور مجھ کو باور ہو گیا
یاس و ناکامی سے بے حِس قلبِ مضطر ہو گیا
اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہو گیا

○ نظم طباطبائی

دل اس طرح ہوائے محبّت میں جل گیا
بھڑکی کہیں نہ آگ، نہ اُٹھّا دھواں کہیں

ادائیں، سادگی میں، کنگھی چوٹی نے خلل ڈالا
شکن ماتھے پہ، ابرو میں گرہ، گیسو میں بل ڈالا

کھلے دو پھول نیلوفر کے، آنکھیں اُس نے جب کھولیں
ستم کیسا کیا شرمائے ہاتھوں سے جو مَل ڈالا

دیکھتا ہوں کبھی حسرت سے تو کہتا ہے وہ شوخ
تو مجھے دیکھ کے جلتا ہے تو جل کیا ہو گا

اس چھیڑیں کوئی جو نہ مرتا ہو تو مر جائے
وعدہ ہے کہیں اور، ارادہ ہے کہیں اور

نظیر اکبر آبادی

جدھر وہ دیکھے، اُدھر صف کی صف اُلٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں

طرح دینا، اُڑا دینا، لگا دینا، بجھا دینا
یہ ڈھب ہیں یاد تس پر کچھ فریب اور فن نہیں آتا

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے جی
اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

خدا کی شان، جنہیں بات کر نہ آتی تھی
وہ اب کرے ہیں سوال وجواب آنکھوں میں

جُدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

نوحؔ ناروی

ادا آئی، جفا آئی، غرور آیا، حجاب آیا
ہزاروں آفتیں لے کر حسینوں کا شباب آیا

شبِ غم کس طرح گزری؟ شبِ غم اس طرح گزری
نہ تم آئے، نہ چین آیا، نہ موت آئی، نہ خواب آیا

دل ہے تو اسی کا ہے، جگر ہے تو اسی کا
اپنے کو رہِ عشق میں برباد جو کر دے

وہ نادم ہوئے قتل کرنے کے بعد
ملی زندگی مجھ کو مرنے کے بعد

مجھ سے ملنا پھر آپ کا مِلنا   آپ کس کو نصیب ہوتے ہیں

عشق نے دل کو پکارا اس طرح — میں یہ سمجھا آپ کی آواز ہے
ان سے مل کر میں انہیں میں کھو گیا — اور جو کچھ ہے وہ آگے راز ہے

بیٹھے ہوئے دیتے ہیں وہ دامن کی ہوائیں
اللہ کرے ہم نہ کبھی ہوش میں آئیں

حُسن کے ناز جدا، عشق کے انداز جدا
ہے یہ مشکل مری دنیا تری دنیا ہو جائے

وادیٔ اُلفت میں دیکھی ہم نے کب منزل کی شکل
گِر پڑے، گِر گِر اٹھے، اٹھ کر سنبھلتے ہی رہے

عشق میں مرنا وفا والوں کا پہلا کام ہے
ابتدا ہی انتہا، آغاز ہی انجام ہے

میں محبت بھی کروں، ترکِ محبت بھی کروں
ایک مشکل کام یہ اِک سخت مشکل کام ہے

○ نہال سیوہاروی

تم جو آئے ہو تو شکلِ در و دیوار ہے اور
کتنی رنگین مری شام ہوئی جاتی ہے

○ نیاز فتح پوری

گھڑی گھڑی نہ اِدھر دیکھئے کہ دل پہ ہمیں
ہے اختیار، پہ اتنا بھی اختیار نہیں

چُوم لینے دیں وہ اپنے لب، یہ میں کیسے کہوں
ورنہ کچھ مشکل نہ تھا دشنامِ جاناں کا جواب

○ غلام بھیک نیرنگ

دل لگانا کوئی آفت ہی سہی
اب تو جھیلیں گے مصیبت ہی سہی
کب کہا میں نے کہ دل سے چاہو
اے وہ منہ دیکھے کی اُلفت ہی سہی
ہم بھی یاد آئیں گے سر چڑھ کے کبھی
بھُول جانا تری عادت ہی سہی

وہ قسمیں کہ اُن سے ملیں گے نہ ہرگز
مگر دل کے ہاتھوں سے مجبور رہنا

شرم ہے اے نگہِ شوق کہ وہ کہتے ہیں
تجھ کو بلوا کے میں رسوا سرِ محفل ہوتا

بھیس مشتاق کا بھرتے نہ کبھی اہلِ ہوس
عشق اے کاش ذرا اور بھی مشکل ہوتا

○ سکندر علی وجد

ابتدا میں ہر مصیبت پر لرز جاتا تھا دل
اب کوئی غم امتحانِ عشق کے قابل نہیں

عجب آرزو ہے انوکھی طلب ہے
تجھی سے تجھے مانگنا چاہتا ہوں

○ وحشت کلکتوی

بند ہی رہتی ہے تیرے دیکھنے والوں کی آنکھ
اور کیا دیکھے گا کوئی تیری صورت دیکھ کر

خفا تم جرمِ الفت پر، خجل میں جرمِ الفت سے
نہ تم ملنے پہ آمادہ، نہ میں ملنے کے قابل ہوں

انداز میں، شوخی میں، شرارت میں، حیا میں
واں ایک نہ اک بات نکلتی ہی رہے گی

شوق پھر کوچۂ جاناں کا ستاتا ہے مجھے
میں کہاں جاتا ہوں، کوئی لئے جاتا ہے مجھے

نے چشمِ التفات ہے، نے خنجرِ عتاب
جینا تمہارے عشق میں دشوار ہو گیا
میں سادہ لوح، واقفِ رسمِ بتاں نہ تھا
اقرارِ عشق کر کے گنہگار ہو گیا

مزا آتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں سے ہم بیاں کرتے، کہیں سے تم بیاں کرتے

دردِ کا میرے یقیں آپ کریں یا نہ کریں
عرض اتنی ہے کہ اس راز کا چرچا نہ کریں

وفا شاہجہانپوری

دیوانہ کہ کے تم نے پکارا جو ناز سے   دیوانہ آج اور بھی دیوانہ ہو گیا

کیا بتاؤں میں آپ کو میرے ارمانوں کا حال
مجھ سے کچھ نہ پوچھیں آپ حال
میرے ارمانوں کا مجھ سے کچھ نہ پوچھیں آپ حال
چند تنکے بہہ رہے ہوں جیسے ساحل کے قریب

○ ھادی مچھلی شہری

میں کیا ہوں، کون ہوں، یہ بھی خبر نہیں مجھ کو
وہ اس طرح مری ہستی پہ چھائے جاتے ہیں
وہ پوچھتے ہیں دلِ مبتلا کا حال اور ہم
جواب میں فقط آنسو بہائے جاتے ہیں

دُنیائے محبت میں دُشوار جو جینا ہے
مر کر ہی سہی آخر، کچھ کام تو کر جاؤں

ہے صبر ممکن، نہ جبر ممکن، نہ دل پہ قدرت، نہ تم پہ قابو
ہے مختصر یہ کہ جانِ محزوں، عجیب آفت میں آ رہی ہے

کھویا ہوا سا رہتا ہوں اکثر میں عشق میں
یا یوں کہو کہ ہوش میں آنے لگا ہوں میں
اب کیوں گلہ رہے گا مجھے ہجرِ یار کا
بیتابیوں سے لطف اٹھانے لگا ہوں میں

○ ہجر

رُوٹھنے کا لُطف یہ ہے رُوٹھیے، مَن جائیے
رُوٹھتے ہیں آپ لیکن رُوٹھنا آتا نہیں

میں اور تم سے وصل کی خواہش، خفا نہ ہو
اِک بات بے خودی میں زباں سے نکل گئی

○ شاہ دین ہمایوں

یاد آئے تم تو ہنس کر صبح نے جھڑکا مجھے
پھر گئے آنسو مری پلکوں تلک آئے ہوئے

○ یاس یگانہ چنگیزی

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجیے

پتھروں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال یہ تو ظالم کی سادگی برستی ہے

پیام زیرِ لب ایسا کہ کچھ سُنا نہ گیا
اشارا پاتے ہی انگڑائی لی، رہا نہ گیا

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھ کر

جھیل لیں گے ہجر کے مارے قیامت کا بھی دن
آج کی شب تو کٹے، پھر کوئی دشواری نہیں

نشۂ حُسن کو اس طرح اُترتے دیکھا
عیب پر اپنے کوئی جیسے پشیماں ہو جائے

○ گُمنام شاعروں کے اشعار

ہوتا ہے رازِ عشق و محبت انہیں سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں، مگر بے زباں نہیں

ابھی کمسن ہو رہنے دو کہیں کھو دو گے دل میرا
تمہارے ہی لئے رکھا ہے لے لینا جواں ہو کر

یہ کہہ کر ستم گر نے زُلفوں کو جھٹکا بہت دن سے دنیا پریشاں نہیں

اُن کے بھولے پن کے صدقے جایئے
کہتے ہیں "مجھ سے تمہیں کیا کام ہے"؟

صنم سُنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

ذرا اُن کی شوخی تو دیکھئے، لئے زُلفِ خم شُدہ ہاتھ میں
مرے پیچھے آئے دبے دبے، مجھے سانپ کہہ کے ڈرا دیا

مُسکرانے کا یہی انداز تھا
جب کلی چٹکی تو وہ یاد آگئے

کیا بُری چیز ہے محبّت بھی
بات کرنے میں آنکھ بھر آئی

آغازِ عاشقی میں کلیجہ دھڑک گیا
سر پھوڑنے سے پہلے ہی ماتھا ٹھنک گیا

دل اس بُت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

جو اُٹھے تو سینہ اُبھار کے، جو چلے تو ٹھوکریں مار کے
بس آپ ایک جوان ہیں، کیا اور کوئی جواں نہیں

آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کے سنبھلے گا نہ دل
اس کو باتوں میں لگالوں تو چلے جائیے گا

وقت تو دو ہی کٹھن گزرے ہیں ساری عمر میں
اِک ترے آنے سے پہلے، اِک ترے جانے کے بعد

رات کی بات کا مذکور ہے کیا
چھوڑیئے، رات گئی بات گئی

بیٹھے ہیں تیرے در پہ کچھ کر کے اُٹھیں گے
یا وصل ہی ہو جائے گا، یا مر کے اُٹھیں گے

ترے عشق کی بن گیا ہوں کہانی
کہی جا رہی ہے، سُنی جا رہی ہے

خیر سے دل کو تری یاد سے کچھ کام تو ہے
وصل کی شب نہ سہی، ہجر کا ہنگام تو ہے

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے، سو رہو گر نیند آتی ہے

ہو گا غضب جو حشر میں جھگڑا ہو جائے گا
مانو کہا، کہ بات ابھی گھر کی گھر میں ہے

بے تمہارے میں جی گیا اب تک
تم کو کیا خود مجھے یقین نہیں

وہ جو پہلو سے اُٹھے درد کچھ ایسا اُٹھا
تمام کر دل کو کئی بار میں بیٹھا اُٹھا

داغ

الٰہی! کیا علاقہ ہے، وہ جب لیتا ہے انگڑائی
مرے سینے کے سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

ہچکیاں کیوں آ رہی ہیں، اے دلِ ناشاد مجھے
شاید اُس شوخ نے بھولے سے کیا یاد مجھے

یوں پوچھتے ہیں غیر سے میرے جنوں کا حال
دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا

دیکھیے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا
مجھ کو یہ چاہ مری، تجھ کو یہ صورت تیری

یہ ہچکیوں میں کیسی الجھن بڑھا رہے ہو
تم یاد کر رہے ہو، یا یاد آ رہے ہو

دلِ زار کس کی خاطر تو تڑپ اُٹھا اچانک
ترا کون ہے جہاں میں تجھے کس کی یاد آئی

داد

مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گزشتہ کے نقوش
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں

سیاہی آنکھ کی لے کر میں نامہ تم کو لکھتا ہوں
کہ تم نامے کو دیکھو اور تمہیں دیکھیں مری آنکھیں

سامنے اُس کے نہ کہتے مگر اب کہتے ہیں
لذتِ عشق گئی غیر کے مر جانے سے

تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی
ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی

کبھی ہم آہ بھرتے ہیں، کبھی فریاد کرتے ہیں
تجھے اے بھولنے والے ہم ابتک یاد کرتے ہیں

عشق کی جس پر عنایت ہو گئی
ہوش زائل، عقل رخصت ہو گئی

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاء اللہ
کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے

بڑی دلچسپ ہے اپنی کہانی
کہیں تو ہم سنائیں کچھ کہیں سے

اب اس فکر میں رات دن کٹ رہے ہیں
تجھے بھول جائیں کہ خود کو بھلا دیں

بناوٹ سمجھتے ہیں رونے کو میرے
مجھے تو ہے اے جان رونا اسی کا

ہمارے شیشۂ دل کو سنبھل کر ہاتھ میں لینا
نزاکت اس میں اِتنی ہے، نظر سے جب گرا ٹوٹا

آنکھیں بچھائیں ہم نے عدُو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں کہ تم ہو ہماری نگاہ میں

قاصد! چلا تو ہے خبرِ یار کے لئے
اتنا رہے خیال کہ آنکھوں میں جان ہے

برسوں سے کان پر ہے قلم اس اُمید پر
لکھوائیں مجھ سے خط مِرے خط کے جواب میں

نامہ بر! خط پہ مری آنکھ بھی رکھ کر لے جا
کیا گیا تو جو، یہی دیکھنے والی نہ گئی

نامے کو پڑھنا میرے ذرا دیکھ بھال کے
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

نامے کے پیچ کو ذرا آہستہ کھولنا
لپٹا ہوا کسی کا کہیں اس میں دل نہ ہو

ان کی گلی میں جس دم میرا گیا جنازہ
حسرت سے دیکھتے تھے پردہ اٹھا اٹھا کر

شہیدِ غم کی لاش پہ نہ سر جھکا کے رویئے
وہ آنسوؤں کا کیا کرے جو مُنہ لہو سے دھو چکا

وہ دنیا تھی جہاں تم بند رکھتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سُننی پڑے گی داستاں میری

شرم میں بھی ہیں ترے پردے میرے کیا شوخیاں
آنکھ نیچی کر کے برقعہ رُخ سے اونچا کر دیا

شانوں پہ زُلف، زُلف میں دل، دل میں حسرتیں
اِتنا ہے بوجھ سر پہ، نزاکت کہاں رہی

کیا نزاکت ہے کہ عارض اُن کے نیلے پڑ گئے
میں نے تو بوسہ لیا تھا خواب میں تصویر کا

بہت گستاخ ہیں جُھک کر ترا مُنہ چوم لیتے ہیں
بہت ہی تُو نے ظالم گیسوؤں کو سر چڑھایا ہے

یارب! دلوں کی خیر، وہ کتنے ہیں دلفریب
"دیکھیں تو کوئی دیکھے ہمیں اور نہ آئے دل"

خواب میں اُن کو کسی نے رات چھیڑا ہے ضرور
دیکھتے ہیں غور سے مجھ کو بُلا کر سامنے



ہماری مطبوعات

ناول

نرملا — منشی پریم چند
خلش — امرتا پریتم

باسٹھ دن — دت بھارتی — ۲/-
کارنیوال — کرشن چندر

جگنو اور ستارے — جیلانی بانو — ۲/-
ایک عورت ہزار دیوانے — ״

اُجلا آنچل — کرتار سنگھ دگل — ۲/-
دل کی وادیاں سو گئیں — ״

سکتی تپتی ناگ — گلشن نندہ — ۲/-
ہانگ کانگ کی حسینہ — ״

پیاسا ساون — ״ — ۱/-
مٹی کے صنم — ״

میلی چاندنی — ״ — ۱/- — ۱/-
زر گاؤں کی رانی — ״

بند گلی — ہنس راج رہبر — ۱/- — ۱/-
دل کی دنیا — عصمت چغتائی

بن بیاہی ماں — نوربخش سنگھ — ۱/- — ۱/-
کانٹے کوس — بلونت سنگھ

محبت یا ہوس — مہاراشٹری — ۲/-
ایک معمولی لڑکی — ״

یاد — پرل بک — ۱/- — ۱/-
عورت اور آبشار — ״

قصہ چہار درویش — میر امن دہلوی — ۱/- — ۱/-
خوشبو کا خواب — اے۔ حمید

فسانۂ عجائب — رجب علی بیگ سرور — ۲/- — ۱/-
ڈاک بنگلہ — ״ — ۲/-

جاسوسی ناول

لندن کی ایک رات — سجاد ظہیر
قتل کا راز — کرنل رنجیت — ۱/- — ۱/-

شہید — ملک راج آنند — ۱/-
چھ لاشیں — ״ — ۱/-

دھرتی ساگر اور سیپیاں — امرتا پریتم — ۲/-
وہ کون تھا؟ — ״ — ۲/-